قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی
بانی دارالعلوم دیوبند
اور اکابر امت کے علوم و افکار کا نقیب

ماہنامہ

ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

NIDA-E-DARUL-ULOOM WAQF DEOBAND

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم

دفتر ماہنامہ
ندائے دارالعلوم وقف دیوبند
ضلع سہارنپور، یوپی (انڈیا)

قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند

اور اکابر امت کے علوم وافکار کا نقیب

ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

جلد نمبر ۱۵ رجب المرجب ۱۴۴۵ھ مطابق فروری ۲۰۲۴ء شمارہ نمبر ۸

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

مدیر

مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی

نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند

شرح خریداری

فی شمارہ ۲۵/روپے

سالانہ علاوہ ڈاک خرچ ۲۵۰/روپے

سالانہ مع ڈاک خرچ ۳۲۵/روپے

تاعمر ۵۰۰۰/روپے

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان علامت ہے آپ کی مدتِ خریداری مکمل ہوچکی، رسالہ جاری رکھنے کے لئے دفتر سے رابطہ کریں۔

شعبۂ نشر واشاعت، دارالعلوم وقف دیوبند، سہارنپور (یوپی)

شائع کردہ : MONTHLY NIDA-E-DARUL ULOOM WAQF DEOBAND

SAHARANPUR (U.P.) INDIA PIN : 247554

Website: www.dud.edu.in / Email : nidaedarululoom@gmail.com

☆ مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ قانونی چارہ جوئی کا حق صرف مقامی عدالت کو ہوگا۔

اس شمارے میں

اداریہ

جُہد ثبات کُو بہ کُو عالمِ بے ثبات میں	حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب	۳

بحث و تحقیق

حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ.....	مولانا غلام نبی قاسمیؒ	۱۲

مقالات و مضامین

حضرت حکیم الاسلامؒ: چند یادیں...	حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتویؒ	۱۵
طلاق کے بارے میں سپریم کورٹ کے...	مولانا عتیق احمد بستوی	۲۰
ڈی فائی ایک اور نیا عالمی معاشی بحران	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی	۲۳
مساجد میں خواتین کے آنے کے شرعی احکام	مولانا امانت علی قاسمی	۲۷
حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی....	مولانا سیف الرحمٰن ندوی	۳۰
مشرکہ خاندانی نظام مشکلات اور حل	مفتی امداد الحق بختیار	۳۳
امام ابوحنیفہؒ کی وحدانیات: ایک جائزہ	مولانا عصمت اللہ نظامانی	۳۹
حضرت مولانا حافظ محمد احمد نانوتویؒ	مولانا محمد معاذ لاہوری	۴۲
ماہِ رجب سے متعلق فضائل واحکام	محمد طیب حنیف	۴۵
سرما؛ نیکیاں بڑھانے کا موسم	مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی	۵۱
قرآن کریم کی طب سے متعلق آیات...	ڈاکٹر فہد انور	۵۸
علم کلام جدید	حکیم فخر الاسلام	۶۱

خبر نامہ

احوال وکوائف	ادارہ	۶۳

ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' دارالعلوم وقف کی ویب سائٹ پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ **Website: www.dud.edu.in**

نوٹ : خریدار حضرات رسالہ سے متعلق ضروری معلومات کے لئے اوقاتِ دفتر ۸تا۲ بجے ہی رابطہ کریں۔ +91 8439512767, +91 8439412767

اداریہ

جُہدِ ثبات کوبہ کو عالمِ بے ثبات میں

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ ❖

ذات حق جل مجدہ نے انسان کی فطرت وسرشت کے عناصر ترکیبی میں ہمہ لمحہ خوب سے خوب تر کی تلاش، مسلسل آگے بڑھتے رہنے کی جستجو، ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ارتقاء کی خواہش، ہر پل نئی تبدیلی کی آرزو اور اس تعلق سے ہردم کوشش ومساعی ہر پل جدوجہد کو محوری حیثیت سے تخلیق فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر ایک انسان اپنے اپنے مقام پر کامیابی حاصل کرنے کی کدوکاوش میں مصروف عمل ہے اور اپنی پیدائشی جبلت وخلقت کے مطابق ترقی کی چاہت کچھ کرگزرنے کی آرزو، قلب وذہن کی بیدار سطح پر سجے سجائے خوابوں کے شوق واشتیاق کو شرمندۂ تعبیر ہوتے دیکھنے کے ارمان، اس تعلق سے ولولہ انگیز امنگوں وتمناؤں کے ساتھ ہمہ دم آگے بڑھنے کی طلب وجستجو کا جذبہ اس میں قدرتی طور پر موجود ہوتا ہے۔

بقول شاعر:

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب ۞ ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش پا پایا

انسانیت کے انتہائی دور آغاز میں جبکہ وہ موسموں کے سردوگرم اور بادوخاک سے اپنے جسم وجاں کو بچانے کے لیے درختوں کی چھال اور پتوں کو استعمال کرتا تھا، مجموعی طور پر اس ابتدائی دور کے انسان کی زندگی کو تعبیراً یہ کہا جاسکتا ہے اس کا طرز حیات اور جانوروں کی بودوباش میں تخلیقی وطبعیاتی فرق کے علاوہ جیسے دوسرا کوئی خاص فرق ہی نہ ہو، انسانیت کے اُس دور طفولیت سے لے کر آج کے طلسماتی دور ارتقاء تک جبکہ آج کی دنیا کا انسان متعدد سربستہ رازہائے عالم ارض وفلک تک موبائل کے ایک انچ اسکرین کے ذریعہ معلومات حاصل کرنے کی رسائی پر اس درجہ قدرت ودسترس رکھتا ہے کہ دنیا جہاں کی اطلاعات، بحروبر میں مظاہر فطرت کے مشاہدات، ارضیات سے لے کر کائنات کے دیگر سیارات کے اثر وآثار کی معلومات تک

❖ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
مدیر اعلیٰ ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

لمحوں اور لحظوں میں پہونچ جانا آج کے دور میں اس کے لیے بازیچۂ اطفال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ غاروں میں رہنے والے اُس انسان سے لے کر اوج ثریا پر کمند ڈالنے والے آج کے ترقی یافتہ اِس انسان تک ہر ایک عہد وعصر میں کامیاب بننے اور کامیاب ہونے کا استمراری عمل بغیر کسی انقطاع کے تسلسل کے ساتھ ایک خاص تدریجی رفتار سے جنس انساں کی فطری خواہشات کا حصہ رہا ہے اور دنیا کی اختتامی ساعت تک بدستور اسی طرح جاری رہے گا، اپنے دور شعور سے لے کر اپنی زندگی کے آخری سانس تک انسانی زندگی کی تگ ودو کامیابی کے حصول کی خواہش ومساعی سے ہی عبارت ہے جو اِنی **اعلم ما لاتعلمون** کے ضمن میں حسب مشیت حق جل مجدہ آراستگیٔ محرکات ارض کے حوالے سے اس کی لامتناہی قدرت کے انتہائی معمولی ترین جزو کا اظہار بھی ہے جس کے فطری عمل کے زیر اثر انسان اپنے اس رغبت ومیلان کی خاطر ہمہ دم ہر قسم کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار رہتا ہے کبھی کبھی تو کسی مرحلے پر اس فکر جنوں خیز کے سامنے ایسا لگتا ہے جیسے کہ اتلاف جان کا خطرہ بھی ثانوی حیثیت اختیار کر گیا ہے، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دنیا کے ارتقائی تسلسل کی اساس اسی جذبے اور جہد مسلسل پر قائم ہے، لیکن یہ بھی بہر حال ایک حقیقت ہے کہ روز اول سے تا حال بہت سے لاینحل سوالات کے جلو میں یہ سوال بھی کسی حتمی نوعیت وتعریف سے ہر ایک عہد وعصر میں تشنہ رہا ہے کہ کامیابی کیا ہے، ناکامی کیا ہے؟ اور اس کا معیار کیا ہے؟ اسی سوال کے منطقی جواب کی تلاش میں انسان نے ہزاروں صدیوں کی مسافت پر محیط بے تحاشہ سفر طے ہی نہیں کیا ہے بلکہ طبعی شوق وطلب کا یہ سفر بدستور آج بھی لمحہ بہ لمحہ جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک یہ دنیا ہست سے نیست میں تبدیل ہو کر اپنے آخری اور منطقی انجام عدم تک نہیں پہونچ جاتی ہے اور دنیا کا آخری انسان اس ربع مسکون سے کوچ کر کے اپنے اگلے مستقر تک نہیں پہونچ جاتا ہے کیونکہ کسی مقام پر مطمئن ہو کر استقرار اختیار کرنا اس کی فطرت کے منافی ہے، دیکھا جائے تو اس طویل ترین سفر میں لحظۂ اول سے لمحۂ رواں تک بھی انسان کامیابی وناکامی کی کوئی حتمی وقطعی تعریف تو متعین نہیں کر سکا باوجود یہ کہ ارتقاء کے ہر ایک دور میں دنیا نت نئے مراحل سے آشنا ہوتی رہی گذرتی رہی اور پُرانے تہذیبی کھنڈرات سے نئی ارتقاء پذیر تہذیبیں جنم لیتی رہیں، اگر چہ اس طویل ترین سفر کے دوران انسان کو اپنے زیادہ تر سوالات کے جوابات حسب مشیت الٰہی مع شہادات مل گئے ہیں لیکن اس کے باوجود اس سے کئی گُنا زیادہ پیچیدہ اور ہزار ہا مختلف نوعیّتوں کے نئے سوالات ہر ایک نئے مرحلے پر پیدا ہوتے رہے اور قدم قدم پر عقل کو اس کی کم مائیگی اور دائرۂ عمل کی محدودیت معجز اشارات کے ساتھ ساتھ کائنات کے ہمہ جہت نظام پر مکمل اختیار رکھنے والی سب سے برتر واعلیٰ طاقت کا بھی احساس دلاتے رہے اور انسان ایسے

سوالات کے دائرے سے کبھی بھی باہر نہیں نکل سکا جن کے جوابات بہ لحاظ عقل تا حال تشنہ و نا تمام ہیں کیونکہ ہر گام پر نت نئے سوالات نے کبھی بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا ہے، اور منجملہ ان میں آج بھی ایک بنیادی سوال کے جواب کی تلاش میں وہ سرگرداں ہے کہ کامیابی کیا ہے؟ کامرانی کا اطلاق کس قسم کے عناصر پر دائر ہے؟ ناکامی کیا ہے؟ نامرادی و محرومی کو کیا ہر شخص کے لیے ایک ہی اکائیت کی صورت میں متصور کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ آج بھی انسان ان سوالات کے حتمی جوابات دین کی اساسی تعلیمات سے مستغنی ہو کر اپنی عقل سے طے نہیں کر سکا ہے یہ عین قرین عقل مشاہداتی اور بدیہی حقیقت ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ کامیابی اور ناکامی کے معیارات ہمیشہ بدلتے رہے ہیں، کبھی انسانی تمدن میں ایسے طاقتور آدمی کو کامیاب سمجھا جاتا تھا جو کہ تنہا دس بیس لوگوں سے لڑنے اور جیتنے کی صلاحیت کے ساتھ پورے قبیلے پر اپنی زور آوری کا رعب داب قائم کر سکتا ہو، کبھی مویشیوں کی کثرت کامیابی کی کسوٹی تصور کی جاتی تھی تو کبھی اولاد نرینہ کی بہتات کامیابی کا معیار قرار پاتا تھا، کبھی وہ لوگ کامیاب تصور کیے جاتے تھے جو زیادہ سے زیادہ زمین جائداد کے مالک ہوتے تھے تو کبھی علم و دانش، معرفت و آگہی اور عقل انسانی کا متوازن امتزاج کامیابی کا معیار بن جاتا تھا، لوگ کبھی فرعون کو کامیاب سمجھتے تھے تو کبھی کامیابی کا پلڑا موسیٰ علیہ السلام کی طرف جھک جاتا تھا، کبھی عزیز مصر کامیاب تو کبھی کامرانی کا تمغۂ امتیاز حضرت یوسف علیہ السلام کے سینے پر سجا ہوا نظر آتا ہے، کبھی دنیا بل گیٹس اور اس قبیل کے دیگر سرمایہ داروں کو کامیاب قرار دے رہی ہے تو کبھی صدر امریکہ کو دنیا کے کامیاب ترین انسان کے خطاب سے نوازا جا رہا ہے، کبھی دولت کی چکا چوند میں سعودی عرب امارات اور برونائی جیسے ممالک کے حکمراں کامیابی کی بلندیوں پر نظر آتے ہیں تو کبھی آیزک نیوٹن اور آئن اسٹائن جیسے سائنس دانوں کی نتیجہ خیز محنتوں کو کامیابیوں کا رہین منت قرار دیا جا رہا ہوتا ہے، غرض یہ کہ کامیابی اور ناکامی کے بدلتے معیارات کے تعلق سے انسان ہمیشہ انتہائی تذبذب اور ذہنی خلفشار کا شکار رہا ہے کیونکہ وقت کے ہر ایک دور اور دنیا کے ہر ایک خطے اور علاقے میں کامیابی و ناکامی کے مائل بہ تبدل معیارات ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں بُعد المشرقین کے مثل بالکل ہی متضاد رہے ہیں، بلکہ اس فکر اجتماعی سے اگر ایک قدم آگے بڑھ کر دیکھا جائے تو ایک ہی فرد کا نظریۂ کامیابی و ناکامی بھی بہ لحاظ وقت و عمر تبدیل ہوتا دکھائی دیتا ہے، ایک طالب علم اپنے دور ابتداء سے انتہائی درجہ کے امتحانات میں کامیابی کو مستقبل کی اساس سمجھ کر دن رات محنت کرتا ہے، تعلیم سے فراغت کے بعد یہ نظریہ تبدیل ہو جاتا ہے اب مقصد عمل کو کامیابی کے حصول میں ترجیحی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے بعد ازاں گذرتے وقت کے ساتھ اپنے میدان عمل میں ارتقائی رجحان کامیابی کی کلید بن جاتی ہے، ثابت ہوا کہ ماورائے عقل منزل من اللہ

ہدایات ربانی سے آزاد و بے نیاز ہوکر مادی فکر ونظر میں کوئی ایسا اصول اور ضابطہ متعین نہیں کیا جاسکتا ہے جس کے دائرۂ اکائیت میں کامیابی یا ناکامی کے ہمہ جہت اوصاف کو مقید کیا جاسکے اس لیے یہ بھی ہرگز ضروری نہیں کہ ایک ہی روش وراہ اور ایک ہی لائحۂ عمل پر گامزن دو طالب علم کامیابی کی یکساں منزل مقصود تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں، کیونکہ فکری دائرہ میں خواہ مذہب ہو کہ سائنس، فلسفہ ہو کہ نفسیات ہر ایک کے علمی سطح پر نہ صرف یہ کہ کامیابی کا تصور ہی ایک دوسرے سے متضاد ہے بلکہ اس کی بنیادیں، وسائل ووسائط، اسباب ودلائل بھی ایک دوسرے سے جدا ملیں گے، یہ مختلف نقطہ ہائے نظر اور یہ رنگارنگ الوان فکر اور متضاد نظریات جہاں ایک طرف **علم الانسان مالم یعلم** کی خشت اساس پر علم و خبر کی وسعتوں کا اعلان ہیں وہیں برسر عام اظہار واقرار کی صورت میں اس حقیقت کو تقویت بہم پہونچانے کے لیے ناقابل تردید دلیل کے طور پر کافی ہیں کہ وہ کامیابی اور اس کا ماحصل نجات ودوام کے تعلق سے صحیح اور اطمینان بخش رہنمائی کرنے سے قاصر ہیں، عقل کی اساس پر ہزاروں سال گزر گئے مختلف زاویۂ فکر سے انسان اس موضوع پر گفتگو کر رہا ہے، کامیابی کے اصل معیار کی تلاش میں سرگرداں ہے، ایک بچے، ایک نوجوان، ایک مرد، ایک عورت اور ایک بزرگ کے لئے کامیابی اور ناکامی کے تصور میں زمین آسمان کا فرق پایا جائے گا، مادی نقطۂ نظر سے ایک عام دیہاتی کسان کے لئے اور شہر میں رہنے والے ایک کاروباری انسان کے لئے کامیابی کا تصور اور پیمانہ کبھی ایک نہیں ہوسکتا ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت کا ایک اہم پہلو ہے کہ کوئی بھی انسان اپنے طے کردہ ذہنی معیار کامیابی کے مطابق نہ تو مکمل طور پر کامیاب ہوتا ہے اور نہ ہی مکمل طور پر ناکام ہوتا ہے، کیونکہ دنیاوی اعتبار سے کامیابی کا دورانیہ انسان کی دنیاوی زندگی میں ایک خاص مدت تک کا ہی احاطہ کرسکتا ہے نہ اس سے پہلے کچھ ہے اور نہ اس کے بعد کامیابی کے آثار اس کی نفس ذات کے لیے مرتب ہوتے ہیں تو اس صورت حال کو تعبیراً یہی کہا جائے گا کہ اس کی کامیابی بغیر کسی نتیجہ خیزی کے درمیان میں ادھورا چھوڑ کر رخصت ہوگئی ہے، ظاہر ہے کہ جو چیز کسی حتمی اور منطقی نتائج سے خالی ہوگی اس کو وقتی افادیت سے تو تعبیر کیا جاسکتا لیکن دوررس نتائج کی حامل ہمہ اوصاف کامیابی قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ زندگی کے اس سفر کے اختتام پر اس کے حصے میں کتنی کامیابیاں آئیں اور کتنی ناکامیوں سے اس کا سامنا ہوا ہے جس کی اساس پر کامیابی وناکامی کے منطقی نتیجہ کو فیصلہ کن بدل کامیابی سے تعبیر کیا جاسکے وہ ماورائے عقل ہدایت ربانی کی روشنی میں ہی طے کیا جاسکتا ہے، ورنہ محض فکری زاویوں پر کامیابی کے معیارات تعریفات اور مختلف پیمائشی پیمانے مسائل پیدا کرتی رہتی ہے کیونکہ ہر شخص کامیابی کی پیمائش کے لئے اپنی اپنی ترازو لے کر، اپنے پیمانے کے مطابق دوسروں کی کامیابی کو ناپنے کی کوشش کرتا ہے، بلکہ

یہی وہ بنیادی غلطی ہے جو کامیابی کے تصور کو مصنوعی بنا دیتی ہے، کامیابی کا تصور، نظریہ، پیمائش میں پائے جانے والے فرق میں معاشرتی پس منظر، سوچ، حالات، واقعات اور چیزوں کو دیکھنے اور پرکھنے کے نظریہ کے اس تفاوت کو قدرت کی عطاء کردہ خوبصورتی سے تعبیر کر سکتے ہیں، جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے مختلف اور منفرد رکھتے ہوئے آیۃ من آیات اللہ کے تناظر میں اس کی فردیت کو قائم رکھتی ہے، مادیت کی سطح پر کامیابی کا کیونکہ کوئی بھی حتمی اور فائنل پیمانہ نہیں البتہ چند اصول یا ضابطے بیان کیے جاتے ہیں جن کی بنیاد پر کسی شخص کو مادی منظر نامے میں کسی حد تک کامیاب کہا جاتا ہے مثلاً یہ کہ وہ انسان جسے ہم کامیاب کہتے ہیں، کیا وہ بھی خود کو کامیاب سمجھتا ہے؟ اور وہ اپنی کامیابی سے خوش اور مطمئن ہے؟ کیا وہ اپنی کامیابی سے اپنے قریبی لوگوں کو متاثر کر پایا ہے؟ کیا وہ اپنی کامیابی کو دوسروں کے لئے قابل تقلید اور لائق مثال تصور کرتا ہے؟ یہ یا اس طرح کے اور بھی بہت سے سوالات ہو سکتے ہیں لیکن یہ وہ بنیادی اور اہم سوال ہیں جو مادی سطح پر کامیابی کے تصور کو وسیع کرنے میں معاون سمجھے جا سکتے ہیں، لیکن یہ کامیابی کے وہ معیارات اور پیمانے ہیں جن کا دورانیہ زندگی کے منظر نامے پر نہایت مختصر ہونے ساتھ انتہائی غیر یقینی قسم کا ہوتا ہے، اس بے ثبات نظریۂ کامیابی کے تعلق سے دنیا کے کم وبیش ہر ایک خطہ وعلاقہ کے منظر نامے پر گذرے دور سے لے کر گذرتے عہد تک ہر ایک عصر وقرن کی مادیات کے شہنشاہوں کے تیز رفتار عروج اور برق رفتار زوال کی بے شمار داستانیں تاریخ کے قرطاس پر رقم ہیں جو اس واقعاتی حقیقت پر شاہد عدل ہیں، اور اس کے بارے میں اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کیونکہ وہ مادہ پرستانہ معیارات ہیں جو اسلام کے بنیادی تصور کامیابی کی قرآنی ہدایات اور تعلیمات الٰہیہ سے بے نیاز ہو کر مجرد عقل انسانی نے طے کیے ہیں جس کا دائرۂ عمل مادیات سے شروع ہو کر مادیات پر ہی منتہی ہو جاتا ہے اور وہ صرف مادی اشیاء اور حیات کون ومکاں کے دورانیہ تک ہی محدود ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارا علم اور ہمارا مشاہدہ ہمیں ایک ایسے مقام پر لا کر چھوڑ دیتا ہے جہاں ہمارے سامنے بے شمار ایسے سوالات آ کھڑے ہوتے ہیں جو ہر سوچنے والے ذہن سے جواب طلب کرتے ہیں اور اس احساس کو جنم دیتے ہیں کہ اگر ان سوالوں کے جوابات نہ مل سکے تو یہ ہماری زندگی بے سود و بے نتیجہ ہے مگر جب ہم سوچنے بیٹھتے ہیں تو ہم پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ہم مجرد اپنے ذہن وفکر سے ماورائے عقل کمال علم یعنی وحی الٰہی سے دانستہ یا نادانستہ تغافل برتے ہوئے کبھی بھی سیر حاصل اور نتیجہ خیز جوابات تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے ہیں، اس لیے کہ نہ ہی تو ہمارے پاس وہ بصارت ہے جو اُس حقیقت کا مشاہدہ کر سکے جس کا تعلق اسرار کائنات کے ان گوشوں سے ہے جن کی سرحدیں علم غیب سے متصل ہوتی ہیں، نہ وہ ذہنی قوت ہمیں حاصل ہے جو اُس حقیقت کا براہ راست ادراک حاصل کر سکے جہاں

ابدیت کے رازمشیت سربستہ ہیں، یہ وہ مقام فکر ہے جہاں پہونچ کر مستبعد دین انسانی ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ آخران سوالات کی حقیقت سے انسان کو نا آشنا رکھنے سے خالق کون ومکاں کی کون سی حکمت ومصلحت وابستہ ہے؟ یہ سوال ان کے نزدیک جس قدر مشکل اور پیچیدہ ہے از روئے تعلیمات الٰہیہ حقیقت واقعہ کی سطح پر اس کا جواب اتنا ہی سہل اور آسان ہے کہ اگر ایک عام انسان کا علم وخبر اور روئے زمین پر از اول تا آخر سب سے مقدس سب سے مقرب سب سے مقدم اور سب میں محترم طبقۂ انبیائے کرام کا علم بسیط اگر برابر ہوجائے تو رسالت کی حکمت بالغہ کے تعلق سے کمال علویت کی معنویت بھی سوالات کے دائرے میں آجائے گی، اس لیے کہ دنیا کی تیز رفتار اس طرز زندگی کا دین اسلام کی ابدی صداقتوں کی تردید یا تائید سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، بلکہ اگر حقیقت کے نقطۂ نظر سے تجزیہ کیا جائے تو نتیجہ اسی ماہیت پر منتج ہوگا کہ کلام الٰہی کی متعین کردہ حقیقی کامیابی کی شاہ کلید نہ صرف یہ کہ اس سے بہت اوپر کی چیز ہے بلکہ اس کا دورانیہ بھی فی نفسہ اپنے آپ میں وسعت کمال ودوام سے منور وآراستہ ہے جو ایک طرف دنیا میں انسان کی تمام لازمی اور مادی ضروریات واحتیاجات کا احاطہ کرتا ہے تو دوسری طرف روحانیات کے تمام درجات کو بھی بہ تمام وکمال محیط ہے، حقیقت واقعہ تو یہی ہے کہ مادہ پرستانہ عقل وفکر کی حد پرواز مابعد الطبیعیات کی اس حقیقت کے آغاز پر دم توڑ دیتی ہیں جس کے بامعنی ادراک پر ہی حقیقی کامیابیوں کے نتائج کا مدار بھی ہے اور وہی اس کے ابدی ترتب کا نقطۂ آغاز بھی ہے، جس کا راستہ صرف براہ قرآن وسنت تعلیمات ربانیہ سے ہی ہوکر گذرتا ہے، اور اسلام نے معنوی وروحانی بنیادوں پر حقیقی تصور کامیابی کو جس قدر وسعتوں سے روشناس کرایا ہے اس کا احاطہ ایک مختصر سے مضمون میں تو کُجا متعدد مصنفات بھی کم پڑ جائیں، اصحاب علم نے اس کی موضوعی حیثیت پر مختلف پیرائے میں متعدد تالیفات میں بڑے سیر حاصل مباحث تحریر کیے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہر انسان کے نزدیک کامیابی کی حرص کے پس پشت جذبۂ بقاء کارفرما ہوتا ہے کہ اس کی ذات اور اس سے جڑے کمالات ہست وبود کے اوصاف دیر تک اور دور تک متصف رہیں اور نفس بقاء کی خواہش کا یہ جذبہ بلاتفریق افکار ونظریات ہر آدمی کی فطرت میں مدت العمر شدت کے ساتھ اثر انداز رہتا ہے، ایک مؤمن قرآنی ہدایات ربانی اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت آموز راہنما احادیث و فرامین مقدسہ کو اپنے حق الیقین کی صورت میں افکا ونظریات کا آخری حتمی اور ایمانی مطمح نظر قرار دے کر بقائے ابدی کی نعمتوں کا جذبۂ کامیابی لے کر صراط مستقیم پر گامزن ہوتا ہے، جبکہ ایک مادہ پرست کے فکر و خیال کا محور بھی جذبۂ بقاء ہی ہے لیکن اس کی کارگاہ عمل میں عقل کو امام بنا کر جذبۂ بقاء کو تسکین بہم پہونچانے کی کوشش ومساعی کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے، اپنی تصاویر بنوانا، سنگ وآہن کے تراشیدہ مجسمے، تاریخ

میں اپنے اوصاف و کارناموں کو بقائے مابعد کے جذبے کے زیر اثر مختلف اور متنوع امور کی بجا آوری، Genius Book of World Record میں اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لیے ناقابل تصور حرکات اور قابل حیرت کارنامے سرانجام دینے پر اپنی بہترین توانائیوں کو صرف کرنا، ان سب مظاہر کے پس پشت کسی نہ کسی نوعیت سے بقائے ذات وصفات کی خواہش کارفرما ہوتی ہے، انسانی فطرت کے اس خُلقی تقاضے کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا سید شمس الدین افغانی رحمہ اللہ اپنی تصنیف ''علوم القرآن'' میں ''ضرورۃ القرآن'' کی دلیل بقائی کے زیرعنوان رقم طراز ہیں کہ ''فطرۃً انسان کی خواہش ہے کہ اس کو دوامی بقاء حیات حاصل ہو، کیونکہ انسان کی کُل نعمتیں وابستۂ حیات ہیں اگر حیات نہ ہو تمام نعمتیں اہل و عیال، مال ومتاع، جاہ واقتدار، خوراک و پوشاک اور رہائش و آرائش سب کچھ بیکار و بے معنی ہیں اور اس فطری جذبے کی دلیل یہ ہے کہ انسان کی بقائے حیات پر اگر کوئی دشمن حملہ آور ہو تو حُب ذات اور حب بقاء کے جذبے کے تحت مدافعت کی انتہائی کوشش کرتا ہے اور حفاظت فراہم کرنے کے لیے اپنی قوت کے آخری درجے تک جدوجہد کرتا ہے، اسی طرح اگر اس پر ایسی کوئی جان لیوا بیماری حملہ آور ہو جس سے اس کی حیات و بقاء کو خطرہ لاحق ہو جائے تو اس کے علاج و معالجہ کے لیے بڑی سے بڑی قیمت ادا کر کے بقائے حیات کے لیے سعی کرتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ حُب ذات اور حُب بقاء کا جذبہ فطری ہے، اور یہ بھی کوئی پوشیدہ حقیقت نہیں ہے کہ اس ہمہ دم تغیر پذیر اور مائل بہ فنا عالم ناپائدار میں یہ فطری مقصد کبھی بھی اور کسی طور پر بھی حاصل نہیں ہوسکتا ہے، اب اگر کسی دور میں بھی انسان کی زندگی کو دوام حیات اور استمرار حاصل نہ ہو تو ایسی صورت میں یہی کہا جائے گا کہ انسان نے ایک ناممکن الوقوع چیز کی فطری خواہش کی ہے جو کہ علم النفسیات کے لحاظ سے ہرگز درست نہیں ہے کیونکہ ناممکنات کبھی بھی انسان کے فطری مطلوب نہیں ہوسکتے ہیں اور نہ ایک ناممکن مقصد پر تمام افراد انسانی متفق ہوسکتے ہیں، مثلاً یہ بات ناممکن ہے کہ دو دونی پانچ ہو جائیں پوری تاریخ انسانی میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں مل سکتا جس کی یہ خواہش ہو کہ دو اور دو کسی بھی طرح پانچ ہو جائیں، کوئی بھی انسان اپنی بصارت سے ہوا اور خوشبو کو دیکھنے کی خواہش اپنے حاسات میں نہیں پاتا ہے، اس لیے کہ یہ ناممکن عقلی ہے، اسی طرح ناممکن عادی بھی فطرۃً تمام انسانوں کا مطلوب نہیں بن سکتا ہے، کیونکہ کوئی انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے یہ خواہش و آرزو نہیں رکھ سکتا ہے کہ وہ انسان ہوتے ہوئے ساری عمر خورد ونوش اور سانس لینے سے بے نیاز ہو جائے، اس سے معلوم ہوا کہ ناممکن امر خواہ وہ عقلی ہو کہ عادی ہو تمام انسانوں کا فطری مطلوب نہیں بن سکتا ہے، تو دوام حیات جو فطرۃً تمام انسانوں کا مطلوب ہے وہ ناممکن نہیں بلکہ عقل و عادت دونوں سطح پر ممکن الحصول ہے، اب دوام بقاء کے لئے اس دنیا میں جو عالم

تغیرات ہے ایسی چیزیں موجود ہیں جو اگر جلد خراب ہونے والی اشیاء سے لگ جائیں تو ان کے ربط و تعلق سے اس کو ایک زمانۂ محدود کے لیے بقاء حاصل ہو جاتی ہے، مثلاً تازہ مچھلی کو نمک لگا کر اور خشک کر کے ایک مدت تک باقی رکھا جا سکتا ہے، یا ایسے ہی مشرق بعید کے ممالک میں بعض جگہ پر شہد سے بھرے صندوق میں آدمی کی لاش رکھ کر بقائے محدود کا سامان کیا جاتا ہے، مصر میں خاص مسالوں کے استعمال سے فراعنۂ مصر کے جسد مردہ کو ممی بنا کر محفوظ کیا جانا بھی اسی جذبۂ حب بقاء کا مظہر ہے، جب عالم تغیرات میں اضافۂ بقاء کے یہ سامان موجود ہیں تو کیا ابدی اور لافانی اشیاء میں ایسا کوئی مسالہ نہیں جس کا ربط و تعلق انسان کی روح سے متصل ہو کر اس کو بقائے ابدی اور استمرار حیات کے وصف سے متصف کر دے؟ ازلیت و ابدیت کی حدود سے بھی ماوراء اس کے خالقِ لم یزل ولا یزال ذات حق جل مجدہ کی ذات وصفات ہیں جن سے انسان کے ساتھ قابل اتصال شئے صرف حق تعالیٰ جلّ شانہٗ کا وصف کلام یا وحی الٰہی ہے جو اپنی ابدیت کے لحاظ سے انسان کے لیے دوام ابدی اور بقائے مستمر کا سامان بن سکتی ہے اسی لئے ذات حق جل مجدہ نے مختلف انبیائے کرام علیہم السلام پر اپنا کلام اتارا تا کہ انسان کو دوام حیات جو اس کا فطری مطلوب ہے حاصل ہو سکے، عقل انسانی کا وصف کیونکہ شبہات پیدا کرنا ہے اس لیے اس مقام پر یہ شبہ پیدا کیا کہ قرآن کریم تو دنیا میں نازل ہوا ہے تو دنیا میں اس نے دوام حیات کیوں نہیں بخشا ہے؟ یہ ایک نامعقول شبہ ہے کیونکہ دوام حیات کے لیے اس فنا پذیر عالم دنیا سے منتقل ہونا ضروری ہے تا کہ مؤثرات فناء کے عوامل سے اس کو خارج کر کے دوام حیات کے مسالے ایسے محفوظ جہان حیات میں اس کو فراہم ہو سکیں جہاں دوام کی ضد عدم اور مخالف مؤثرات موجود نہ ہوں، علاوہ ازیں اس جہاں میں اگر دوام کی سہولت انسان کو دستیاب ہوتی تو کرۂ ارض کی تنگ دامانی از اول تا آخر تمام افراد انسانی کی سکونت کی ہرگز ہرگز متحمل نہیں ہو سکتی تھی اور یہ عقلاً بھی مستبعد ہے، لہٰذا سلسلۂ موت و حیات اس مشیت حق کو بھی محیط ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے دوام بقاء کے فطری جذبے کی تکمیل کے لیے کلام الٰہی اور وحی ربانی ناگزیر ضرورت ہے، دوسرے یہ بھی شبہ نہ کیا جائے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے کلام الٰہی پر ایمان رکھنے والے مؤیدین کو جس طرح جنت کی صورت میں دوام اور بقائے ابدی حاصل ہوگا تو منکرین کلام الٰہی کو بھی بصورت جہنم دوام حیات ہوگا لیکن وہ بدتر از موت ہے اور اس کی علت یہ ہے کہ کلام الٰہی کا اثر دوام حیات ہے اور کیونکہ کلام الٰہی ابدی ہے تو لازماً اس کا اثر بھی حیات انسانی کو ابدی بناتا ہے جو کہ مومنین اور کفار کے حق میں بہ شکل دوام جنت اور بصورت دوام دوزخ موجود ہے تو کیونکہ کلام الٰہی کی اصل تاثیری صفت ہمیشگی اور ابدیت ہے لیکن دوام حیات کی دو قسمیں ہیں ایک دوام باراحت اور دوسری دوام بارنج والم اور یہ فرق انسانی استعداد اور اس کے طرز عمل نے پیدا کیا ہے

آسودہ حال والوں نے ایمانی استعداد کے ساتھ کلام الٰہی سے ربط قائم کیا اور منکرین حق نے مخالفت اور استعداد ردوانکار اور انحراف کے ساتھ واسطہ رکھا، اس لیے دوام کی نوعیت میں فرق آیا جس کی مثال یہ ہے سورج کے شعلوں اور شعاؤں کا اثر چیز کو سفید کر دیتا ہے لیکن جب دھوبی گھاٹ پر کپڑے دھوتا ہے اور سورج کی شعائیں پڑتی ہیں تو اس سے کپڑے تو سفید ہو جاتے ہیں لیکن خود دھوبی کا بدن کالا سیاہ ہو جاتا ہے حالانکہ سورج کا ربط دونوں سے یکساں ہے دراصل یہ فرق و تفاوت کپڑے اور دھوبی کے بدن کے استعدادی فرق کی وجہ سے واقع ہوا ہے یہی حال اہل ایمان اور اہل کفر کا ہے، قرآن کریم نے اسی فرق کو واضح کیا ہے، وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا. (۱) اور ہم قرآن کو اتارتے ہیں تمام کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے اور قوت و رحمت کا سامان کرنے کے لیے لیکن کفار کے معاندانہ ظلم کی وجہ سے یہ قرآن ان کے لیے نقصان کا سامان بن جاتا ہے۔''

حاصل یہ کہ مادہ پرست اور منحرف حق کامیابی کی شاہ کلید دوام کو مائل بہ نیست و نابود عالم دنیا میں تلاش کرتا ہے اور عارف حق حقیقی فوز و فلاح اور دوامی کامیابی کا راز سربستہ حق و معرفت کی نورانیت میں اپنے رب کی توفیق سے پاکر ہمیشہ کے لیے آسودۂ رحمت ہو جاتا ہے۔ اِنَّهٗ قَدْ فَازَ فَوْزًا مَّنْ سَعٰى.

تجھ کو سمجھاتی رہی تیرے ارادوں کی شکست ❁ تیرے ہاتھوں میں ہیں نظم کمال شش جہات
تیرے عنوان ترقی کو بدلنے کے لئے ❁ آہ یہ غوغائے شاہی آہ یہ لات و منات
پستیوں کی سمت لے جاتی ہے امید عروج ❁ یہ کمال ارتقاء ہے وہ کمال ممکنات
سینۂ امکاں پہ اک جوئے رواں ہے زندگی ❁ دیدۂ بیدار مومن پر عیاں ہے زندگی
تیرے فکر و دوش پر بار گراں ہے زندگی
کیا خبر ہے آبروئے دو جہاں ہے زندگی

وما علینا الا البلاغ المبین

❁.....❁.....❁

(۱) سورۂ اسراء، آیت: ۸۲

بحث و تحقیق

قسط نمبر:۷۵

حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ

کے علوم وافکار کی تشریح وترجمانی ''تقریر دلپذیر'' کی روشنی میں

مولانا غلام نبی قاسمیؒ ❖

اہل علم جانتے ہیں کہ حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ کی دینی بصیرت اور فرق ضالہ باطلہ کی تردید میں مضبوط عقلی دلائل آپ کا ایک ایسا امتیاز ہے کہ جو حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور حجۃ اللہ فی الارض شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بعد حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ کے حصہ میں آیا، حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند نے بتوفیق ایزدی حضرت نانوتویؒ کی جملہ تصانیف کی تشریح وتسہیل کا عزم کیا ہے۔

افادۂ قارئین کے لیے آغاز حضرت قدس سرہؒ کی مشہور تصنیف ''**تقریر دلپذیر**'' سے کیا جارہا ہے، امید ہے کہ یہ سلسلہ اہل علم کو پسند آئے گا۔

محمد شکیب قاسمی
ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی

بالجملہ، اجزائے غیر منقسمہ کے ماننے میں کوئی دقت نہیں۔ احکامِ حرکات واحکامِ اشکالِ ہندسی سب بُعد ہی تک جاتے ہیں۔ عروضِ احکامِ مذکورہ بُعد ہی ہے، وہ بذاتِ خود متصل ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس میں انفراج اور خرق متصور نہیں۔ اجزاء میں اسی کے فیض سے اتصال، مستعار آجاتا ہے۔ اسی وجہ سے زوال کے قابل ہے۔ وہ بذاتِ خود ساکن ہے، اس کے فیض سے اجزاء میں سکون آجاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ زوال کے قابل ہے۔ اس پر وہ بُعد ہر طرف سے غیر متناہی ہے۔ اور کیوں نہ ہو؟ اگر وہ بھی غیر متناہی نہ ہو، تو پھر تناہیٔ اجسام کی کوئی صورت نہیں۔

ہم بہ مددِ خداوندی واضح کر چکے ہیں کہ جیسے ہر مقید کے لئے ایک مطلق کی حاجت ہے، ایسے ہی ہر متناہی کے لئے ایک غیر متناہی کی ضرورت ہے۔ مگر جب اتصال وابعادِ اجسام کو فیضِ بُعدِ مجرد کہیے، تو پھر وہ غیر متناہی — جس کی ضرورت اجسام متناہیہ کو لاحق ہوگی۔ یہی بُعد مجرد ہوگا، جس کے بطلانِ لاتناہی پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں۔ اگر ہیں، تو مغالطے ہیں۔ من جملہ ان کے یہ بھی ہے کہ اگر کوئی بُعد، یا دو بُعد کسی ایک جانب سے غیر متناہی اور دوسری جانب سے متناہی مانا جائے، تو اس کے پہلو میں ایک بُعد اسی طرف غیر متناہی میں اس کے برابر مان کر ایک کو کسی قدر جانبِ متناہی کی طرف سے کھینچ کر پوچھیں گے کہ جانبِ غیر متناہی

❖ سابق استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند

سے اب بھی دونوں برابر ہی رہے، تو مساوی جزو، کل کے برابر ہوگا۔ کیوں کہ بُعدِ متحرک پر قبلِ تحریک اگر اس قدر اور بڑھا دیتے جس قدر اس کو کھینچ لیا ہے، تو بے شک بُعدِ متحرک اس قدر بُعد کا جزو ہوتا، جس میں زیادتی بھی ہوتی اور وہ بعدِ خالی از زیادتی پہلے سے دوسری بعد کے دونوں طرف سے برابر تھا ایک طرف دونوں غیر متناہی، ایک طرف سے برابر۔ اور اب بُعدِ مذکور مع الزیادۃ بھی اس کے برابر ہی رہا، تو وہی خرابی لازم آئی کہ مساوی جزو، کل کے برابر ہوگیا۔ اور اگر جانبِ غیر متناہی میں مساوات نہ رہے، کمی بیشی رہے، تو تناہی لازم آئے گی۔ اور وجہ اس کے مغالطہ ہونے کی اول تو یہ ہے کہ بُعدِ مجرد میں گفتگو ہے۔ اس کو حرکت عارض ہی نہیں ہوسکتی، نہ وہ قابل تحرک ہے۔ اس لئے کہ وہ از قسمِ مسافت ہے، از قسمِ متحرک نہیں۔ چناں چہ اس کی تحقیق سے ہم فارغ ہو چکے ہیں۔ اور نہ اس میں کوئی شخص تصورِ حرکت کرسکتا ہے۔

دوسرے غیر متناہی کوئی کیوں نہ ہو، بُعد ہو، یا ذو بعد، اس کو حرکت عارض ہی نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ حرکت کے لئے جیسے اول عدمِ بُعد میں وجود چاہیے اور اس لئے اس کو حدوث لازم ہے، جانب ماضی میں لاتناہی متصور نہیں۔ چناں چہ اوپر معروض ہو چکا، ایسے ہی ہر حرکت کے لئے اول مبدا دوم منتہا یعنی وہ جانب جس طرف کو حرکت ہو، ضروری ہے، جس سے متحرک کا دونوں جانب میں متناہی ہونا ضروری ہے۔ جیسے حادث کے لئے وجود کا مقید ہونا اور مطلق کا نہ ہونا لازم ہے۔ ورنہ حادث نہ رہے، قدیم ہو جائے۔

غرض، جیسے حرکت کو جانبِ ماضی میں تناہی اور ابتداء چاہیے، ایسے ہی متحرک کو مبدا کی جانب انتہا ضروری ہے۔ اور کیوں نہ ہو؟ حرکت میں ایک جانب کو ترک کیا جاتا ہے اور دوسری جانب کو طلب کیا جاتا ہے۔ اور وہ متروک اور مطلوب، اجزائے مسافت ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا محدود اور متعین اور قابلِ اشارہ ہونا ضرور ہوا۔ ورنہ محدود و متعین نہ ہوں گے۔ تو پھر کیوں کر کہیں گے کہ اس کو ترک کیا اور اس کو طلب کیا؟

ادھر یہ بھی ظاہر ہے کہ حرکت اپنی میں جیسے حرکاتِ مستقیمہ کُل کو اپنی جا سے حرکت ہوتی ہے اور دلیلِ مذکور میں انہیں حرکاتِ اینیہ مستقیمہ کی ضرورت ہے۔ مثل حرکتِ وضعی جیسے چکی کی حرکت مثلاً یہ نہیں کہ کُل اپنے قائم مقام رہے، اجزاء کو اپنے اپنے مقامات سے حرکت ہو۔ چناں چہ ظاہر ہے۔ اس لئے ایسی حرکات میں، جن کو اپنی کہیے، کل کے لئے ایک متروک متعین چاہیے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات بے تناہی اور انتہا متصور نہیں۔ بالجملہ، تجویزِ حرکت خود اس بات پر شاہد ہے کہ سلسلۂ متحرکہ متناہی ہے، غیر متناہی نہیں۔ اس صورت میں خود دعوے کو دلیل بنالیا۔ متحرک کہنا گویا یوں ہی کہنا ہے کہ یہ متناہی ہے۔ اور اگر حرکت نہ دیجئے؛ بلکہ دو سلسلوں کے مبدأوں میں تفاوت فرض کر کے دونوں کو غیر متناہی مانیے اور پھر ذہن میں تطبیق ایک ذہنی حرکت ہے۔ اور حرکت کے لئے زمانہ درکار۔ اور زمانۂ متناہی میں غیر متناہی مسافت پر بتمامہا حرکت متصور نہیں۔ جو تمام غیر متناہی کی

تطبیق کر جائیں اور جانبِ غیر متناہی میں کمی بیشی نکالیں۔ اس لئے یہ کمی بیشی ادھر ہی رہے گی۔ اور اس طرف بہ وجہ لاتناہی گویا مساوات ہی رہے گی۔ اور ادھر سے ایک سلسلہ کم، ایک زیادہ ہو جائے گا۔

دوسرا مغالطہ ابطال لاتناہی کا سنیے! اگر کسی زاویہ کی ساقیں وتر کی جانب غیر متناہی ہوں، تو وتر بھی غیر متناہی ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جوں جوں ساقیں بڑھتی ہیں، اتنا ہی وتر بھی بڑھتا جاتا ہے۔ سو اگر ساقیں غیر متناہی ہوں گی، تو وتر بھی غیر متناہی ہی ہوگا۔ مگر اس کے ساتھ بھی دونوں ساقوں کے بیچ میں میں محصور بھی ہوگا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ غیر متناہی محصور نہیں ہوسکتا ہے۔ اور جو محصور ہوتا ہے، وہ غیر متناہی نہیں ہوتا، متناہی ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود بُعدِ غیر متناہی، ہی کوئی چیز نہیں۔ ورنہ یہ خرابی تسلیم کرنی پڑے گی۔ اور وجہ اس دلیل (کے) مغالطہ ہونے کی اول تو یہ ہے کہ غیر متناہی، متناہی ساقوں میں محصور نہیں ہوسکتا۔ ورنہ اس کا متناہی ہونا بے شک لازم آئے گا۔ اور اگر حاضر بھی غیر متناہی ہی ہو، تو اس کے بطلان کی کیا دلیل؟ اور یہ ایسی بات ہے کہ بُعدِ متناہی میں اجزائے غیر منقسمہ، غیر متناہی نہیں آسکتے، پر بُعدِ غیر متناہی میں اجزائے غیر متناہیہ کا آجانا ہرگز ممنوع نہیں۔ یا یوں کہو ظرفِ غیر متناہی میں مظروف بھی غیر متناہی آسکتا ہے۔ پر متناہی ظرف میں مظروفِ غیر متناہی نہیں آسکتا ہے۔ مگر جب اس کی یہ وجہ ہوئی کہ بڑی چیز اپنی سے چھوٹی میں نہیں آسکتی اور مقدارِ کبیر، مسافتِ صغیر میں نہیں سما سکتی، تو حصر میں بھی یہی سمجھئے کہ متناہی حاصر، غیر متناہی نہیں ہوسکتا۔ پر غیر متناہی اگر حاصرِ غیر متناہی ہو جائے، تو کیا گنا ہے ہے؟ اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ غیر متناہی، بُعدِ غیر متناہی میں آ گیا۔ اور وترِ غیر متناہی، مسافتِ غیر متناہی میں سما گیا۔

دوسری جیسے محصور ہونا خواص متناہی میں سے سمجھا جاتا ہے، حاصر ہونا بھی متناہی ہی کے خواص میں سے سمجھئے؛ بلکہ محصور ہونا اگر غیر تناہی کے خواص میں سے ہوگا، تو حاصر ہونا پہلے اس کے خواص میں سے ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جیسے زمین آفتاب سے منور ہوتی ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ آفتاب سے نور صادر ہوا اور زمین پر واقع ہوا، آفتاب اس باب میں فاعل ہوا، زمین اس باب میں اس کی مفعول، ایسے ہی حصر میں بھی سمجھئے۔ حاصر فاعل، محصور مفعول۔ سو جیسے نور کی تاثیرات اگر زمین میں ہوں گی، تو آفتاب میں پہلے ہوں گی، ایسے ہی اگر کوئی بات بہ وجہ حصر، محصور میں ہوگی، تو حاصر میں پہلے ہوگی۔ اگر محصوریت صفات وخواص متناہی میں سے ہے، تو حاصریت پہلے اس کے خواص میں سے ہوگی۔ غرض، یہاں بھی مثل دلیلِ اول در پردہ بہ ذریعہ فرضِ خواصِ متناہی ایک شئی کو متناہی مان لیتے ہیں اور کہنے کو غیر متناہی کہے جاتے ہیں۔ اس کے بعد دلیل پیش کرتے ہیں۔ خواص متناہی سے منزہ کر کے۔ اگر کوئی دلیل لائیں، تو جانیں۔ (جاری)

مقالات و مضامین

قسط (۳)

حضرت حکیم الاسلامؒ
چند یادیں چند باتیں

حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتویؒ ❖

دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد

دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد میں تلاش معاش میں لگ گیا اور توکلاً علی اللہ اپنی والدہ محترمہ کے حکم پر میں نے وطن مألوف میں سکونت اختیار کرلی، اس دوران بھی حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں برابر حاضری ہوتی رہی۔

نانوتہ میں جلسۂ سیرت النبی ﷺ کا انعقاد

غالباً ۱۹۷۰ء میں اہل نانوتہ کو یہ خواہش ہوئی کہ سیرت پاک ﷺ کے موضوع پر ایک جلسہ منعقد کیا جائے، اس موضوع پر بیان کرنے کے لیے سب کی نظر انتخاب حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ پر ہی گئی، ظاہر ہے ان سے بہتر اور کون ہوسکتا تھا، اس زمانے میں نانوتہ سے دیوبند آنا جانا اتنا آسان نہیں تھا، البتہ اس روڈ پر بسیں وغیرہ چل پڑی تھیں۔

عوامی سطح پر دینی راہ نمائی حاصل کرنے کا اس زمانے میں یہی رائج طریقہ تھا کہ علاقوں میں علمائے کرام کا خطاب ہوتا، جس کی نوبت سالوں میں کبھی کبھار آتی، لوگ اس کی تقریر کو بڑے غور اور اشتیاق کے ساتھ عمل کی نیت سے سنتے تھے، ایک تقریر ہوجاتی اسی کے مطابق لوگ سالہا سال عمل کرتے رہتے تھے۔

حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کو اس پروگرام میں دعوت دینے کی ذمہ داری بھی اس ناکارہ ہی

❖ سابق رکن مجلس مشاورت دار العلوم وقف دیوبند

نوٹ : یہ مضمون اکتوبر ۲۰۱۶ء میں تحریر کیا گیا تھا، افادہ کی غرض سے اسے بالاقساط شائع کیا جارہا ہے۔

کے ذمے ڈالی گئی، چنانچہ محلّہ شیخ زادگان نانوتہ کے ایک دو ذمہ داروں کے ساتھ ہم دیوبند پہنچے، اس زمانے میں فون وغیرہ تو تھے نہیں اور نہ اتنا لوگ سفر کرتے تھے، اس لیے پیشگی اطلاع کا کوئی طریقہ سوائے خط کے نہیں تھا، چنانچہ پہلے ہم لوگ دفتر اہتمام پہنچے، معلوم ہوا کہ حضرت حکیم الاسلام ابھی ابھی دولت خانے پر تشریف لے گئے ہیں، میں دیگر رفقاء کے ساتھ دولت خانے پر حاضر ہوا، اطلاع کرائی فوراً ہی اندر بلایا اور ملاقات پر حسب معمول خوشی کا اظہار فرمایا، تھوڑی دیر اہل خاندان کے بارے دریافت فرماتے رہے، جب ہم پہنچے تو کچھ تحریر فرما رہے تھے، جو ان کی ہمیشہ کی عادت تھی، جب بھی دولت خانے پر حاضری ہوتی تو ان کو کچھ نہ کچھ تحریر فرماتے ہوئے یا کسی کتاب پر تقریظ تحریر کرتے ہوئے یا پھر کسی کتاب کے مطالعے میں مشغول دیکھا، باوجود اہتمام کے مشاغل اور اسفار کی کثرت کے وہ اپنا تحریری کام ضرور جاری رکھتے۔

بہر کیف میں نے خدمت اقدس میں حاضری کا مدعا بیان فرمایا اور نانوتہ کی جامع مسجد میں خطاب عام کی درخواست پیش کی، برابر میں اپنے مقررہ پروگراموں کی ڈائری اٹھا کر دیکھی اور فرمایا کہ ان شاء اللہ حاضر ہو جاؤں گا، دوپہر کا وقت تھا ہم سب کو کھانے کے لیے اصرار کیا اور کھانا کھلوایا، رخصت لے کر ہم خوشی خوشی نانوتہ واپس آئے اور اس پروگرام کی تیاریاں شروع کر دیں، مقررہ تاریخ پر حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ تشریف لائے، جلسے کی نظامت کے فرائض بھی اس ناکارہ نے انجام دیے، اس کے بعد تقریباً سوا گھنٹہ سیرت پاک کے موضوع پر حضرت والا کا خطاب ہوا، جس میں نہ صرف اہل نانوتہ شریک تھے، بلکہ قرب وجوار سے گاؤں والے بھی حضرت کی زیارت اور ملاقات کے لیے تشریف لائے، حضرت والا نے ”وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين“ کو بنیاد بنا کر سیرت پاک کے مضمون پر جامع تقریر فرمائی جس میں خاندانی اور معاشرتی پہلوؤں کے سلسلے میں حضور ﷺ کی رحمت اور رأفت کو اجاگر فرمایا۔

دار العلوم صد سالہ اور اس سے متعلق یادیں

دار العلوم میں جلسہ دستار بندی وتقسیم اسناد تو دار العلوم کے قیام کے زمانے سے ہوتے رہے تھے، لیکن اس مرتبہ دار العلوم کے جلسہ دستار بندی کو اجلاس صد سالہ دار العلوم دیوبند کا نام دیا گیا تھا، ایسا اور اس نوعیت کا علمی اور عوامی جلسہ ہندوستان کی تاریخ میں نہ کبھی پہلے ہوا تھا اور نہ کبھی بعد میں ہوا، اگرچہ تعداد میں ہوسکتا ہے کہ کہیں اور بڑا اجتماع ہو گیا ہو، لیکن عوام وخواص کے درمیان جو مقبولیت اس پروگرام کو حاصل ہوئی وہ کسی اور دینی علمی پروگرام کو نہیں ہوئی، کہ یہ عالم اسلام کی عبقری شخصیات کا دیوبند جیسے چھوٹے قصبے میں ایک انوکھے انداز کا عظیم اجتماع تھا، اس کے لیے تیاریاں بھی ایک طویل عرصے تک چلتی رہیں، اس دوران بھی اس اجلاس کی تیاری کے سلسلے میں حضرت والا کی خدمت اقدس میں حاضری ہوتی رہی، اور

اجلاس صد سالہ کمیٹی کی طرف سے جو کام بحیثیت علاقے کے ذمے دار ہونے کے ہمیں ملے ان کو بڑی تند ہی کے ساتھ ہم نے پورا کرنے کی کوشش کی۔

صد سالہ دار العلوم دیوبند کا اس قدر کامیاب انعقاد حضرت حکیم الاسلام اور ان کے رفقائے کی حسن نیت اور حسن انتظام کا جیتا جاگتا ثبوت اور مقبولیت کی دلیل تھی، اجلاس کے دوران یہ ناکارہ اسٹیج پر تھا، بہت سے علمائے عرب اور علمائے عجم کی زیارت کا موقعہ نصیب ہوا، جن کا نام صرف اخباروں میں پڑھنے کو ملتا تھا، خاص کر وہ بڑے علمائے کرام جو پاکستان میں تقسیم وطن کے بعد مقیم ہو گئے تھے۔

میرا نکاح بھی حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ نے پڑھایا

میرے والد گرامی کے وصال کے بعد جس طرح حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ نے میری راہ نمائی اور دستگیری فرمائی، وہ بیان سے باہر ہے، میری یہ خواہش رہی کہ میرا نکاح حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ ہی پڑھائیں، اس لیے میں نے حضرت کو اس کی دعوت دی، حسن اتفاق یہ تھا کہ میری خوش دامنہ حضرت حکیم الاسلام کی بھانجی ہوتی تھیں، اس لیے جناب بھائی جمیل صاحب مرحوم (میرے والد نسبتی اور چچا زاد بھائی) نے بھی حضرت حکیم الاسلام سے نکاح پڑھانے کی درخواست فرمائی، شام کے وقت جامع مسجد نانوتہ میں نکاح ہوا، میری خوش دامنہ سے قریبی عزیز داری کی وجہ سے حضرت حکیم الاسلام کے اہل خانہ ایک دن قبل ہی نانوتہ تشریف لے آئے، میرے شیخ اور مربی حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کی اہلیہ محترمہ ہی پہلے دن میری اہلیہ کے ساتھ تشریف لائیں تھیں۔

حضرت حکیم الاسلام کے میرے دیکھے ہوئے چند اہم واقعات

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی عظمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ''حکیم الاسلام'' کا لقب سنتے ہی ہمارے برصغیر کے دینی علمی حلقوں میں ذہن خود بخود حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی البیلی اور متنوع الجہات شخصیت کی طرف منتقل ہوتے ہیں، آپ کے حکیمانہ طرز عمل کے بے شمار واقعات آپ کو دیکھنے والوں کے سینوں میں محفوظ ہیں، اس عاجز کو بھی بچپن ہی سے حضرت کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، اس لیے کچھ واقعات اور آپ کی باتیں ذہن میں محفوظ ہیں، حضرت کی زبان مبارک سے میں نے بارہا یہ جملہ سنا کہ آپ بہت ہی زور دے کر فرماتے کہ ''جہالت سب سے بڑا روگ ہے'' اسی طرح میں نے آپ سے بارہا سنا کہ ہندوستان میں دعوتی کام کرنے کے لیے علمائے کرام کے طرز سے زیادہ صوفیائے کرام کا طرز مؤثر معلوم ہوتا ہے، ان کا ایک خاص وصف نکتہ آفرینی تھا، چھوٹی چھوٹی بات سے دوسری

بات نکال لیتے تھے، ایک مرتبہ اہل خاندان کی دعوت پر نانوتہ تشریف لائے، جناب ابا مرحوم اور تائے ابا جناب حضرت مولانا مفتی محمود صاحب، سابق مفتی مالوہ (مدھیہ پردیش) تشریف لائے ہوئے تھے اور آموں کا موسم تھا یہ سب حضرات ایک ساتھ آم تناول فرما رہے تھے، اور میں بالٹی میں سے دیسی کے قسم قسم کے آم اٹھا اٹھا کر ان حضرات کو دے رہا تھا، (حضرت آم بہت شوق سے تناول فرماتے تھے) فرمایا کہ آم تو بہت جگہ کھانے کا اتفاق ہوا، لیکن اپنے وطن میں اہل خاندان کے درمیان بیٹھ کر آم کھانے کا مزہ دو بالا ہو جاتا ہے، دوران گفتگو فرمایا کہ آم تمام پھلوں کا بادشاہ ہے، اس کی دلیل ہمیں قرآن کریم سے بھی ملتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (وفاکھة و أبا) کہ تمام پھلوں کا تذکرہ فرما کر الگ سے خصوصیت سے فرمایا، ''أبّا'' جو دراصل ''انبا'' ہے، اور انبا عربی زبان میں آم کو کہتے ہیں، اس پر ساری محفل محظوظ ہوئی، اسی طرح کے اور بھی نہ جانے کتنے واقعات ہیں جن سے آپ کی نکتہ آفریں طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایک قضیے کا حکیمانہ فیصلہ

حضرت کے زمانہ اہتمام کا واقعہ ہے کہ دار العلوم میں اس وقت کے کچھ شر پسند عناصر کے چڑھائے میں آکر چند طلبہ کی طرف سے کچھ نازیبا حرکات کا صدور ہوا اور دار العلوم کے وقار کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی، تو انتظامیہ دار العلوم نے تادیبی کارروائی کی، وقتی ہنگامہ فرو ہو جانے کے بعد انتظامیہ نے قضیے کی ابتدائی تحقیقات کے بعد ادارے کی مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے چند طلبہ کا اخراج کر دیا، ان ہی طلبہ میں ایک طالب علم تھے جو آج کل راجستھان میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، وہ حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمہ اللہ سابق صدر مدرس دار العلوم دیوبند کے خادم خاص بھی تھے، وہ طالب علم واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ، جس روز دار العلوم میں طلبہ نے ہنگامہ کیا، عین اسی روز احقر کا نکاح تھا، بہر حال میں نکاح کے بعد آیا تو میرا نام بھی بر بنائے غلط فہمی ہنگامہ کرنے والے طلبہ کے ساتھ آ گیا، جس کی وجہ سے میرا بھی اخراج ہو گیا، میں بہت پریشان ہوا اور میں نے حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمہ اللہ سے اپنے اخراج کے بارے میں بتایا، اسی وقت مولانا معراج الحق صاحب مجھ کو حضرت حکیم الاسلام کے پاس دفتر اہتمام میں لے گئے، اور تمام صورت حال حضرت مہتمم صاحب کے گوش گزار کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی ضمانت بھی لی کہ یہ طالب علم ہنگامہ میں شریک نہیں تھے، بلکہ ہنگامہ والے دن تو ان کا نکاح تھا، حضرت مہتمم صاحب نے تمام مسئلہ سنا اور اور اپنے حکیمانہ اسلوب میں مولانا معراج الحق صاحب رحمہ اللہ کو سمجھایا کہ معاملہ ابھی تازہ ہے، عزیز سلمہ دروس کی پابندی کرتے رہیں، معاملہ ذرا سرد ہو جائے گا تو

میں ان کے داخلہ کو بحال کردوں گا، مگر مولانا کو اصرار تھا کہ ان کا داخلہ فورا بحال کیا جائے، دو تین دن بعد مولانا معراج صاحب مجھے لے کر دوبارہ دفتر اہتمام گئے، اور پھر مہتمم صاحب کی خدمت میں میرے مسئلہ کو رکھا، حضرت مہتمم صاحب نے نہایت تحمل و بردباری کے ساتھ افہام وتفہیم کر کے مولانا معراج الحق صاحب کو مطمئن کر دیا، لیکن تین چار دن بعد مولانا مجھے لے کر تیسری مرتبہ پھر دفتر اہتمام پہنچے اور میری بحالی کے لیے سفارش فرمائی اور اس مرتبہ اپنی سفارش پر اصرار بھی فرمایا، حضرت مہتمم صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں مولانا معراج الحق صاحب کی مکمل بات سنی اور نہایت حکیمانہ اسلوب میں مسکت جواب ارشاد فرمایا کہ مولانا آپ نے حکمت اور طب پڑھی ہے، حکیم نے اس وقت مسہل دیا ہے، آپ کو معلوم ہوگا کہ حکیم جب مسہل دیتا ہے تو فاسد مادہ کے ساتھ کبھی کبھی صالح مادہ بھی نکل جاتا ہے اور پھر صحت معمول پر آجاتی ہے، مولانا معراج صاحب نے یہ جواب سنا اور مسکرا کر خاموش ہوگئے پھر دوبارہ مجھے لے کر دفتر اہتمام نہیں گئے، چند روز گزرنے کے بعد حضرت حکیم الاسلام نے مجھے بلا کر بربنائے شفقت میرا داخلہ بحال فرمادیا، حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حضرت کو ایسی طبیعت سلیمہ ودیعت ہوئی تھی کہ ہر کام کو اس قدر خوش اسلوبی اور حسن انتظام کے ساتھ کرتے، کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل بھی چٹکیوں میں حل ہوجاتے، ایسا محسوس ہوتا کہ دست قدرت نے ان کو خاص اسی کام کے لیے بنایا، دارالعلوم دیوبند کا یہ مقام یوں تو بانی دارالعلوم دیوبند حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ اور دیگر اکابرین ومخلصین کے اخلاص کا نتیجہ ہے، مگر اکابرین کا کہنا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا تعارف ہندوستان وبیرون ہندوستان میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا مرہون منت ہے، جس کسی محفل میں تشریف لے جاتے میر محفل وہی ہوتے، جس اسٹیج پر موجود ہوتے صدارت ان ہی کو زیب دیتی، جس مجلس میں تشریف لے گئے، وہ عوامی ہو یا علمی، تعلیمی ہو یا تہذیبی، دارالعلوم کا نام روشن کر دیا اور اسلام کی حقانیت کا سکہ لوگوں کے قلوب میں ایسا بٹھایا کہ ان کے دل نبی اکرم ﷺ کی محبت سے سرشار ہوگئے۔

(جاری)

قسط (۳)

طلاق کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلے ایک جائزہ

مولانا عتیق احمد بستوی❖

طلاق سے متعلق مختلف فیصلوں کا تجزیہ

شمیم آرا کیس کا فیصلہ کوئی تفصیلی فیصلہ نہیں ہے، اس فیصلہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سپریم کورٹ کے فاضل جج نے بعض ہائی کورٹوں کے فیصلوں پر اعتماد کر کے اور انہیں بنیاد بنا کر اپنا یہ فیصلہ صادر کیا، ذیل میں ہم شمیم آرا کیس کے فیصلہ کے مندرجات اور یہ فیصلہ ہائی کورٹوں کے جن فیصلوں پر مبنی ہے ان کے مشتملات کا تفصیلی جائزہ پیش کریں گے تاکہ علم وتحقیق کی کسوٹی پر اس فیصلہ کو جانچا جاسکے۔

جسٹس بحر الاسلام (گوہاٹی ہائی کورٹ) اور ان کے ہم خیال ججوں نے وقوع طلاق کے لئے جو نئی شرطیں عائد کیں ان کا کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے وسیع ذخیرہ میں دور دور تک پتہ نہیں ہے، طلاق واقع ہونے کے لئے یہ شرط عائد کرنا کہ طلاق کی کوئی معقول وجہ موجود ہو اور طلاق سے پہلے افہام وتفہیم کی کوشش کر لی گئی ہو، دونوں کے خاندان سے ایک ایک حکم مقرر کر کے معاملہ کو حل کرنے کی کوشش بھی ناکام ہو چکی ہو، گواہوں کے سامنے طلاق دی گئی ہو اور بیوی اور ان کے گھر والوں کو طلاق دینے کی اطلاع دے دی گئی ہو۔

یہ سب شرطیں خود ساختہ اور ایجاد بندہ ہیں، کتاب وسنت اور اسلامی قانون سے ان کا دور کا کوئی تعلق نہیں ہے، ہمارے فاضل ججوں کو سورہ نساء کی آیت نمبر ۳۴۔۳۵ سے مغالطہ میں ڈالا گیا، اور جن آیات کے آگے پیچھے کہیں طلاق کا ذکر نہیں اُنہیں طلاق کا پروسیجر (طریقۂ کار) بنا کر پیش کیا گیا ہے، وہ دونوں آیات اور ان کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ

❖استاذ حدیث وناظم مجلس تحقیقات شرعیہ، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنو

أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا (۳۴) وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا (۳۵)

ترجمہ: مرد عورتوں پر نگراں ہیں، اس لئے کہ اللہ ہی نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے، اور اس لئے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں، پس نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمانبردار ہیں اور اللہ کی حفاظت سے مرد کی عدم موجودگی میں (اپنی عزت وآبرو اور مال واولاد کی) حفاظت کرتی ہیں، اور تم کو جن عورتوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو، ان کو سمجھاؤ، خوابگاہ میں ان سے بے تعلقی برتو، اور ان کو (ہلکے طریقہ پر) مارو، اگر وہ تمہاری فرماں برداری کرنے لگیں تو پھر ان پر زیادتی کے لئے بہانے تلاش مت کرو، بے شک اللہ بڑی بلندی اور عظمت والے ہیں، اور اگر تم کو آپس میں نزاع کا اندیشہ ہو، تو مرد کے لوگوں میں سے ایک پنچ اور عورت کے لوگوں میں سے ایک پنچ مقرر کردو، اگر دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کردیں گے، بیشک اللہ خوب جاننے والے اور باخبر ہیں۔''

مندرجہ بالا آیات میاں بیوی کے تعلقات اور ازدواجی جھگڑوں کو ختم کرنے کے بارے میں بہت ہی بنیادی رہنمائی دیتی ہیں، بلاشبہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ ازدواجی رشتہ قائم کرنے کا فیصلہ وقتی تأثر اور جلد بازی میں نہ کیا جائے، بلکہ پورے غور وخوض کے بعد فریقین کے ایک دوسرے کے بارے میں صحیح معلومات کرلینے اور مطمئن ہوجانے کے بعد ہی نکاح کا رشتہ قائم کیا جائے، اس سلسلہ میں اسلام نے بہت سی ہدایات دی ہیں، یہاں تک کہ مرد جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اسے دیکھنے تک کی اجازت وہدایت دی ہے، حالانکہ عام حالات میں اجنبیہ عورت کو دیکھنا ممنوع ہے، لیکن جب رشتۂ ازدواج قائم ہوگیا تو اس کے بعد ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے اور رشتۂ ازدواج کو باقی وقائم رکھنے کی پوری کوشش ہونی چاہئے، اس سلسلہ میں اسلامی شریعت نے میاں بیوی دونوں کو بڑی حکیمانہ ہدایات دی ہیں، اگر ان پر عمل کیا جائے تو رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کی نوبت شاذ ونادر ہی آئے، ان ہدایات اور تعلیمات کو پیش کرنے کے لئے کافی وقت اور فرصت درکار ہے، اور احقر نے اپنی کتاب ''طلاق کب، کیوں اور کیسے'' میں ان ہدایات کو اختصار کے ساتھ لکھ دیا ہے، طلاق کے موضوع پر اس کتابچہ کا ترجمہ انگریزی اور گجراتی میں ہوچکا ہے۔

سورہ نساء کی جن دو آیات سے ہمارے ججوں نے طلاق کے لئے خود ساختہ شرطیں عائد کرنے کی کوشش کی ہیں، انہیں غور سے پڑھے جانے اور آیات کے سیاق وسباق سے ملا کر دیکھنے کی ضرورت ہے، ان آیات کے سیاق وسباق میں کہیں طلاق کا ذکر نہیں ہے، بعض فیصلوں میں آیت نمبر ۳۴ کے اس ٹکڑے کو "فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا" کو طلاق سے جوڑنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ آیت کا یہ ٹکڑا بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر نافرمان بیوی آیت میں ذکر کردہ طریقوں کے استعمال سے راہ راست پر آجائے، اور نافرمانی کی روش ترک کردے، اب اس کے ساتھ شوہر کا رویہ منصفانہ اور شریفانہ ہونا چاہئے، ماضی کی غلطیوں کی وجہ سے نہ اسے طعن وتشنیع کرے، نہ ایذا رسانی کرے۔

قرآن کریم کا ایک معجزہ یہ ہے کہ اس کی بعض آیات سے اگر کہیں غلط مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور تلبیس یا تشکیک کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے تو خود قرآن کریم کی دوسری آیات ان کوششوں کو ناکام بنادیتی ہیں، اور حقائق سے پردہ اٹھادیتی ہیں، طلاق کے زیر بحث مسئلہ میں بھی قرآن کا یہ اعجاز واضح طور پر سامنے آتا ہے، قرآن کریم میں مختلف سورتوں اور آیتوں میں طلاق کے احکام ومسائل ذکر کئے گئے ہیں، طلاق اور اس سے متعلق دوسری چیزیں مثلاً عدت، نفقہ، مطلقہ اور نفقۂ اولاد وغیرہ کا ذکر بڑی وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔

سورہ بقرہ، سورہ احزاب نیز سورۂ طلاق میں مختلف آیات طلاق سے متعلق ہیں، لیکن کہیں بھی ان شرائط کا صراحتاً یا اشارتاً تذکرہ نہیں ہے، جن پر ہمارے جج صاحبان کا اصرار ہے، اور جنہیں یہ حضرات سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳۴ اور ۳۵ کے حوالے سے ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں، بلکہ قرآن کریم میں ایسی متعدد آیات ہیں جو ان خود ساختہ شرائط کی نفی کرتی ہیں، اور اس بات پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ طلاق واقع ہونے کے لئے وہ اقدامات ناگزیر نہیں ہیں جن کا سورۂ نساء کی آیات ۳۴، اور ۳۵ میں ذکر ہے۔

(جاری)

ڈی فائی: ایک اور نیا عالمی معاشی بحران؟

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی ❖

ڈی سینٹرلائزڈ فنانس یعنی ڈی فائی Decentralized Finance DeFi مروّجہ عالمی مالیاتی نظام کو نئی شکل دینے کا ایک نیا طریقہ ہے جس کی عالمی منڈی ۲۰۰ بلین امریکی ڈالر کی ٹوٹل آماؤنٹ آف ویلیو لاکڈ Toal Amount of Value Locked TVL سے زیادہ کی ہے۔ تاہم یہ ایک ستم ظریفی ہے کہ ماضی سے سبق لینے کے باوجود دنیا ایک اور عالمی معاشی بحران کے دہانے پر ہے اور یہ ابھرتی ہوئی ڈی سینٹرلائزڈ فنانس مارکیٹ بڑی حد تک اس میں حصہ ڈال رہی ہے۔ آیئے ہم ڈی فائی کی تکنیکی تفصیلات کا گہرائی میں جائزہ لیں اور دیکھیں کہ یہ عالمی کساد بازاری کی بنیادی وجہ کیسے بن سکتی ہے۔

موجودہ عالمی معاشی نظام سینٹرلائزڈ ہے اور اسے حکومتیں اور ریگولیٹری ادارے کنٹرول کرتے ہیں۔ عالمی مالیاتی ادارے جیسے کہ ورلڈ بینک، آئی ایم ایف، ایشین ڈویلپمنٹ بینک، اور یورپی انویسٹمنٹ بینک غربت کو کم کرنے کے لیے قرضے دے کر معیشتوں پر حاوی ہیں۔ زر یا پیسہ حکومتوں کی نگرانی میں بنایا جاتا ہے۔ اسٹاک ایکسچینج، انشورنس کمپنیاں، مرکزی بینک، اور سیکیوریٹیز ایکسچینج بھی موجودہ مالیاتی ڈھانچے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تاہم، موجودہ مالیاتی نظام میں کئی مسائل ہیں۔ ان مسائل میں کچھ یہ ہیں جیسے مڈل مین یا تھرڈ پارٹی کی شمولیت، شفافیت کا فقدان، مانیٹری پالیسی پر حکومت کا اثر ورُسوخ، بین الاقوامی مارکیٹ میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اجارہ داری، ڈالر کی اجارہ داری، دولت کی عدم مساوات، ترقی پذیر ممالک کو بین الاقوامی منڈیوں میں آزادانہ طور میں رسائی جیسی مشکلات شامل ہیں۔

ڈی فائی، جیسا کہ اس کے حامیوں نے دعویٰ کیا ہے، ان تمام مسائل کا حل ہے۔ آسان الفاظ میں ڈی فائی کے مطابق موجودہ عالمی مالیاتی نظام سے مرکزیت یعنی سینٹرلائزڈ اداروں کو نکال دیا جائے اور عالمی مالیاتی نظام کو ڈی سینٹرلائزیشن کی خصوصیات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے شروع سے دوبارہ ڈیزائن کیا

❖ استاذ مونسٹر ٹکنالوجی یونیورسٹی (MTU) آئرلینڈ

جائے۔ آیئے اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ ایک کمپنی اپنے کاروبار کو بڑھانے کے لیے کچھ رقم چاہتی ہے۔ یہ کمپنی بینک سے رابطہ کرے گی اور قرض کی درخواست کرے گی۔ بینک حکام ضروری چیکنگ کریں گے اور رقم مخصوص شرحِ سود کے ساتھ اس کمپنی کو جاری کریں گے۔ تاہم، بینک نے اس کمپنی کو جو رقم دی ہے وہ حکومت (مرکزی بینک) نے فریکشنل ریزرو بینکنگ سسٹم کا استعمال کرتے ہوئے بنائی ہے۔ بنیادی طور پر اس فریکشنل ریزرو بینکنگ سسٹم کے نظام کو چلانے کے لیے ریزرو ضروری ہیں۔ جبکہ ڈی فائی کے تناظر میں، یہ کمپنی خود اپنا بینک بن سکتی ہے اور بلاک چین پر کوڈ سے کریڈٹ حاصل کر سکتی ہے۔ کسی ادارے کی ضرورت نہیں! اس دنیا کا تصور کریں جہاں ہر کوئی اپنا بینک بن جائے، کریڈٹ بنائے، اپنی مالیاتی مصنوعات اور سروسز شروع کرے، اور یہ سب کچھ بغیر کسی کنٹرول اور ریگولیشن کے ہو۔ وہ نظام کتنا کمزور اور ناپائیدار ہوگا؟

فلیش لونز Flash Loans، اسٹیبل کوائن Stable Coins، اسٹیکنگ رلینڈنگ، پیگڈ ٹوکن Pegged Tokens، ڈی سینٹرلائزڈ ایکسچینج، نان فنجیبل ٹوکنز NFTs))، سمارٹ کانٹریکٹس، ڈی سینٹرلائزڈ ایپلی کیشنز dApps، اور کرپٹو کرنسی، ڈی فائی کی بنیادی اکائیاں ہیں یہ سب بلاک چین کو ایک بنیادی ٹیکنالوجی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ڈی فائی، پیئر ٹو پیئر (P2P) لین دین پر مبنی ہے (بنیادی طور پر ایتھریم Ethereum پر ڈیزائن کیا گیا ہے) اصولی طور پر، پیئر ٹو پیئر P2P ٹرانزیکشنز کو حقیقی معاشی سرگرمی کی عکاسی کرنی چاہیے۔ تاہم، ڈی فائی کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے۔ کیا آپ ملین امریکی ڈالر کی ڈیجیٹل تصویر کا تصور کر سکتے ہیں؟ جی ہاں، سب سے مہنگے این ایف ٹی میں سے ایک Everydays: the First 5000 Days ہے، جو کہ ایک ڈیجیٹل آرٹ ہے جس میں ۵۰۰۰ تصاویر ہیں لیکن اُس کی پشت پر کوئی حقیقی اثاثہ نہیں ہے۔ مزید برآں، این ایف ٹی کی ایسی تجارت صرف شیخی مارنے کے حقوق کی عکاسی کرتی ہے نہ کہ قانونی لحاظ سے ڈیجیٹل اثاثہ کی اصل ملکیت۔

دوسری طرف کرپٹو کرنسی کی بنیادی طور پر اپنی کوئی ذاتی قدر یا افادیت نہیں ہے۔ یہ صرف فرضی نمبر ہیں جو کمپیوٹر میں ڈالے جاتے ہیں اور ان کا حقیقی معیشت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کرپٹو کرنسی کی قیمتوں میں زیادہ اتار چڑھاؤ کی وجہ سے لوگ اسے سرمایہ کاری کے مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، کیونکہ بہت کم مدت میں بہت زیادہ منافع ہوتا ہے۔ کیا کرپٹو کرنسی کی یہ تجارت اور سرمایہ کاری جوا یعنی قمار کے مترادف نہیں ہے؟ ہاں، یقیناً ہے اور اس کا تذکرہ حال ہی میں برطانیہ کی ٹریژری کمیٹی ''ہاؤس آف کامنز'' یعنی ایوانِ

زیریں نے کیا ہے اور ''دی گارڈین'' اخبار میں بھی اس کا حوالہ دیا گیا ہے۔

ایک تحقیقی مقالہ جسے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بعنوان Post-Crisis Reforms: Some Points to Ponder جو کہ سن ۲۰۱۰ء میں ورلڈ اکنامک فورم جسے اقتصادیات کا سب سے باوقار بین الاقوامی فورم سمجھا جاتا ہے۔ ۲۰۰۷ء-۲۰۰۸ء میں کے عالمی مالیاتی بحران کے بعد پیش کیا، چار بنیادی عوامل کو ظاہر کرتا ہے جن کی وجہ سے بڑے پیمانے پر معاشی بحران پیدا ہوا۔ اول یہ کہ نقدی کو اُس کے بنیادی مقصد یعنی ذریعہ تبادلہ سے ہٹانا اور اُسے خود تجارت کا آلہ بنانا، دوم ڈیریویٹیوز Derivatives کا بہت زیادہ سرائیت کر جانا، سوم یہ کہ قرضوں کی فروخت اور چہارم یہ کہ اسٹاک، اشیاء اور کرنسیوں میں شارٹ سیل Short Sales اور بلینک سیل Blank Sales تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے! یہ وہ تمام اسباب ہیں جو کہ ڈی فائی میں زیادہ بڑے پیمانے پر موجود ہیں۔

فابیو پانیتا Fabio Panetta معروف بین الاقوامی ماہر معیشت ہیں، یورپین سینٹرل بینک کے ایگزیکٹو بورڈ ممبر ہیں - نے ۲۲ ویں بی آئی ایس سالانہ کانفرنس بمطابق سن ۲۰۲۲ء میں اپنی حالیہ تقریر میں کہا کہ کرپٹو نئے سرمایہ کاروں کو راغب کرنے کے لیے نئی داستانیں تشکیل دے رہا ہے! یہ ڈی فائی کا نظام کرپٹو کو نیا خون دینے کے لیے ایسی ہی ایک داستان میں سے ایک ہے یا وسیع تر معنوں میں اسے کرپٹو کے نظام کی ری برانڈنگ کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ ڈی فائی کا مقصد کرپٹو اثاثوں پر مبنی معیشت کو سہارا دینا ہے۔ یہ کرپٹو اثاثوں پر مبنی مصنوعات کی مارکیٹ تک رسائی کے لیے ایندھن کا کام کرتا ہے۔ محققین کے مطابق، موجودہ ڈی فائی سسٹم، سینٹرلائزڈ اداروں پر بہت زیادہ انحصار کرتا ہے جیسے والیٹ فراہم کرنے والے، اوریکلز، مائننگ پولز، اور بلاک چین API فراہم کرنے والوں پر۔ لہٰذا ڈی فائی کا یہ دعویٰ کہ وہ ڈی سینٹرلائزڈ ہے یہ سو فیصد درست نہیں۔

ڈی فائی کے نظام کو مُشتری ہوشیار باش یعنی Caveat Emptor کے طور پر نہیں چھوڑا جا سکتا! جس کا مطلب یہ ہے کہ سرمایہ کار اپنے رسک پر سرمایہ کاری کریں۔ اصولی طور پر ہرگز اس کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ ڈی فائی ریگولیٹڈ نہیں ہے، یہ ایک بے قابو غبارہ ہے جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔ یہ حقیقی اثاثوں پر مبنی نہیں ہے اور اس کا حقیقی معیشت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ڈی فائی نظام کے حامیوں

بشمول کرپٹو سرمایہ کاروں نے یہ ڈی فائی کی مصنوعات صرف کرپٹو کو زندہ رکھنے کے لیے بنائے ہیں۔ حتّٰی کہ میکا ریگولیشن نافذ کرنے سے ایسا لگتا ہے کہ یورپی حکومتیں یہ پیغام دینا چاہتی ہیں کہ وہ ڈی سینٹرلائزڈ کرپٹو اثاثوں (جو کہ ریگولیٹڈ نہ ہو اور جن کی پشت پر کوئی اثاثہ نہ ہو جن میں بٹ کوائن، ایتھریم کرپٹو کرنسیاں اور این ایف ٹی وغیرہ شامل ہیں) کی تجارت اور سرمایہ کاری کی حمایت نہیں کرتی ہیں۔ ریگولیٹرز کو ڈی فائی کو سختی سے کنٹرول کرنا چاہیے، لوگوں کو ڈی فائی ٹوکنز میں سرمایہ کاری کرنے سے روکنا چاہیے، اور میڈیا مہمات کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے یورپ کی میکا ریگولیشن کرپٹو اثاثوں کے تناظر میں ایسا ہی کرتی نظر آتی ہے۔ مزید برآں، ڈی فائی کا نظام ایک بے لگام نظام ہے جو کہ نتیجتاً دیوالیہ پن، دھوکہ بازی اور معاشی بدحالی کا باعث بنتا ہے۔

حقیقی اثاثوں پر مبنی معیشت اور تخیلاتی معیشت کے درمیان بہت زیادہ دوری پائی جاتی ہے۔ جس نے پہلے اپنے تباہ کن اثرات دکھائے تھے اور ڈی فائی کے ذریعے دوبارہ وہی ہو رہا ہے۔ اس لیے دنیا کو ڈی فائی سے باز رہنا چاہیے! ہم سپریم کورٹ آف پاکستان کے سود سے متعلق تاریخی فیصلے میں جسٹس (ر) حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے تحریر کردہ ایک اقتباس کا حوالہ دے کر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں، اور اپنے قارئین سے ڈی فائی کے تناظر میں غور کرنے کی درخواست کرتے ہیں:

دُنیا کی پوری معیشت اس طرح ایک غبارہ کی شکل اختیار کر چکی ہے، جو روز بروز ایسے نئے قرضوں اور تمویلی معاملات سے پھولتا جا رہا ہے، جس کا حقیقی معیشت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بڑا غبارہ بازار کے جھٹکوں Shocks کی زَد میں ہے اور کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔

قسط (۱)

مساجد میں خواتین کے آنے کے شرعی احکام

مولانا امانت علی قاسمی ❖

احکام کے سلسلے میں شریعت کا خطاب مرد وعورت دونوں سے ہے، نماز کا حکم مردوں سے بھی ہے اور عورتوں سے بھی، دیگر عبادات میں بھی مرد وعورت دونوں سے شریعت کا خطاب ہے۔ نماز میں اصل جماعت کے ساتھ نماز کا حکم ہے اسی وجہ سے تنہا نماز پڑھنے کو کامل نماز نہیں کہا جاتا ہے، احادیث میں بھی جماعت کی نماز کی بڑی تاکید آئی ہے اور جماعت کے ترک کرنے پر وعید کا بھی تذکرہ ہے، لیکن اس کے باوجود اس مسئلے میں مرد وعورت کے درمیان شریعت نے فرق کیا ہے، مردوں کے لیے مسجد کی جماعت کی نماز کو لازم وضروری قرار دیا ہے؛ جب کہ عورتوں کے لیے گھر میں نماز پڑھنے کو افضل کہا ہے، اور عورت کے لیے جماعت کے بجائے تنہا نماز پڑھنے کو بہتر قرار دیا ہے۔ عہد نبوی میں خواتین مسجد میں جایا کرتی تھیں لیکن آپ ﷺ کی ہدایت اور تاکید یہی تھی کہ عورتیں گھر میں نماز پڑھا کریں، عہد نبوی کے بعد صورت حال میں تبدیلی ہوئی اور حضرات صحابہ میں عورتوں کے مسجد میں آنے کے سلسلے میں اختلافات ہونے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں حضرات ائمہ کے درمیان بھی اختلافات ہیں؛ تاہم اس درجہ اتفاق ضرور ہے کہ عورتوں کے لیے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے اور فتنہ کے اندیشہ کی صورت میں عورتوں کا مسجد میں آنا مکروہ تحریمی ہے۔

موجودہ ماحول میں جب کہ خواتین بہت سے مسائل میں گھر سے باہر نکلتی ہیں اور گھروں میں دینی تعلیم کا کوئی نظم نہیں ہے اور تعلیم کا نظم نہ ہونے کی وجہ سے بے دینی اور بے حیائی کو فروغ مل رہا ہے؛ بلکہ بعض واقعات ارتداد تک پہونچ رہے ہیں، اس میں اصل سبب لڑکیوں میں دینی تعلیم کا نہ ہونا ہے؛ اس لیے اس سلسلے میں یہ موضوع اہم ہوجاتا ہے کہ اس پر غور وخوض کیا جائے کہ کیا عورتوں کے لیے مسجد میں آنے کی کچھ گنجائش ہے؟ اسی پس منظر میں مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ کے سوالات کے جوابات تحریر کئے جاتے ہیں۔

❖ استاذ دار العلوم وقف دیوبند

اسلامی نظام حیات میں مساجد کا مقام و کردار

اسلام میں مساجد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، آپ ﷺ کی زندگی اور طرزِ عمل سے مساجد کا کردار، مساجد کی اہمیت اور اس کے آداب و تقاضے معلوم ہوجاتے ہیں۔ آپ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو خود اپنا گھر تعمیر کرنے سے پہلے آپ نے مسجد کی تعمیر کی طرف توجہ دی، مساجد کے بنیادی کاموں میں عبادات، تلاوت قرآن اور ذکر و اذکار شامل ہیں۔ ایک مرتبہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ مساجد اس طرح کی گندگی پھیلانے کی جگہ نہیں ہے؛ بلکہ مساجد نماز، اذکار اور قرآت قرآن کے لیے ہے۔

إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول، ولا القذر إنما هي لذكر الله عز وجل، والصلاة وقرائة القرآن او كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فامر رجلا من القوم فجاء بدلو من ماء فشنه عليه. (۱)

آپ ﷺ نے مساجد کے احترام کی بڑی تلقین فرمائی اور مساجد میں شور و غل کرنے، مساجد کی بے توقیری کرنے اور مساجد میں گندگی پھیلانے سے منع فرمایا؛ اسی وجہ سے بہت چھوٹے بچوں کو جو مساجد میں پیشاب کر کے مساجد کو ناپاک کر سکتے ہیں آپ نے ان کو مسجد میں لانے سے منع فرمایا:

عن واثلة بن الاسقع، ان النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم، وشراركم، وبيعكم، وخصوماتكم، ورفع اصواتكم وإقامة حدودكم، وسل سيوفكم، واتخذوا على ابوابها المطاهر، وجمروها في الجمع (۲)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بچوں، مجنونوں اور شرارت پسندوں سے اپنی مساجد کو دور رکھو، اسی طرح مساجد میں خرید و فروخت کرنے اور مقدمات کے فیصلہ کرنے، آواز بلند کرنے، حدود قائم کرنے اور تلوار سونتنے سے بچو! اور مسجد کے دروازے پر وضو خانہ بناؤ اور مسجد میں جمعہ کو دھونی دو۔

اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ عہد نبوی میں اور عہد صحابہ میں نماز و اعتکاف کے علاوہ دیگر اجتماعی اعمال (جن کا تعلق مفاد عامہ سے تھا) مساجد میں انجام دئے جاتے تھے، آپ ﷺ کے زمانے میں قیدیوں کو مساجد میں قید کیا جاتا تھا، عہد صدیقی تک مساجد کو قید خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں باضابطہ قید خانہ تعمیر کیا گیا اور اس نظام کو مساجد سے علاحدہ کیا گیا۔

لم يكن في عهده ﷺ وابي بكر سجن، إنما كان يحبس في المسجد او الدهليز حتى اشترى عمر رضي الله عنه دارا بمكة باربعة آلاف درهم واتخذه محبسا. (۳)

---

(۱) صحیح مسلم، باب وجوب غسل البول وغیرہ من النجاسات إذا حصلت فی المسجد، وان الارض تطهر بالماء، من غیر حاجة إلی حفرها حدیث نمبر: ۲۸۵ (۲) سنن ابن ماجہ، باب ما یکرہ فی المساجد، ۷۴۹ (۳) ردالمحتار، فصل فی الحبس، ۵/۳۷۷

عہد نبوی میں مسجد میں مجاہدین اسلام شمشیر زنی اور نیزہ کی مشق کیا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مسجد میں حبشی مسلمان نیزہ کی مشق کر رہے تھے، میں نے یہ مشق آں حضرت ﷺ کے شانوں کے سہارے سے دیکھی، اسی طرح عہد نبوی میں مساجد میں کھانا پینا بھی ہوتا تھا؛ اس لیے کہ اس وقت بہت سے مسلمانوں کے پاس رہنے کے لیے گھر نہیں تھا، وہ لوگ مسجد میں سوتے اور مسجد میں کھانا کھاتے تھے۔ حدیث میں ہے عبداللہ بن حارث بن جز کہتے ہیں:

کنا ناکل علی عهد رسول الله ﷺ فی المسجد الخبز و اللحم(۱)

ہم لوگ حضور ﷺ کے زمانے میں مسجد میں گوشت روٹی کھاتے تھے۔

حضرات فقہاء نے معتکف اور مسافر کے لیے مسجد میں سونے کو مطلقا جائز لکھا ہے اور غیر معتکف کے لیے سونے کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے، بعض لوگوں نے بوقت ضرورت بلا کراہت جائز کہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جوانی میں مسجد میں سونا ثابت ہے؛ بلکہ امام بخاریؒ نے ایک باب **باب نوم المراة فی المسجد** کا قائم کیا جس میں انہوں نے عورتوں کے لیے مسجد میں سونے کو ثابت کیا ہے۔

اسی طرح مفاد عامہ سے متعلق چیزوں کو مسجد میں رکھنے کی اجازت ہے یعنی ایسی چیز جو کسی خاص کی ملکیت نہ ہو؛ بلکہ اس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو مسجد میں رکھی جاسکتی ہے اور وہاں بیٹھ کر مسلمانوں میں تقسیم بھی کی جاسکتی ہے، آپ ﷺ کے زمانے میں مال غنیمت اور صدقات کے اموال مسجد میں تقسیم ہوتے تھے۔ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ موسم گرما میں پینے کا پانی رکھا جاسکتا ہے۔(۲)

مساجد میں تعلیم کی تاریخ بھی مساجد کی طرح ہی قدیم ہے۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں جہاں جہاں مسجدیں قائم ہوئیں ان میں نظام جمعہ و جماعت کے ساتھ تعلیم کا بھی نظم تھا۔ مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ نے ''اسلام کا نظام مساجد'' نامی کتاب میں لکھا ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک مساجد میں تعلیم کا نظام جاری رہا، کتب احادیث و تراجم میں متعدد مدرسوں کے نشانات ملتے ہیں جو مسجدوں میں قائم تھے، جہاں مدرسین بلا معاوضہ درس و تدریس کا سلسلہ جاری کئے ہوئے تھے، ہندوستان کی چند ایسی قدیم مساجد ہیں جن سے مدرسہ کا کام لیا جاتا تھا ان میں جون پور میں اٹالہ کی مسجد، لاہور میں وزیر خان کی مسجد، نئی دلی میں ماہم بیگم کی مسجد، پرانی دہلی میں مسجد فتحپوری اور سورت میں مرجان شامی کی مسجد خصوصیت سے قابل ذکر ہے(۳) (جاری)

(۱) ابن ماجہ، باب الاکل فی المسجد، ۱/۲۴۵، حدیث نمبر ۳۳۰۰
(۲) فتح الباری ۱/۳۴۹ (۳) اسلام کا نظام مساجد ص: ۱۹۸

آخری قسط

حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ
اور ادب اسلامی

مولانا سیف الرحمٰن ندوی❖

مولانا کے تحریروں میں ادب کی چاشنی بھی ہے اور فکر سلیم کی روشنی بھی اور علم و تحقیق کی سنجیدگی بھی، مولانا نے ادب اسلامی میں ایک عظیم کارنامہ یہ انجام دیا کہ ادب اسلامی کو اردو میں متعارف کرایا اور اس کو پوری آب و تاب کے ساتھ اپنے قلم سے پھیلایا، ورنہ یہ سچ ہے کہ اب تک اردو ادباء نے اس اصطلاح کو نہیں اپنایا تھا، یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مولانا علی میاں ندویؒ نے عربی زبان میں جس ادب اسلامی کو متعارف کرایا، اس کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کیا، دنیا بھر کے ادباء کو اس جانب متوجہ کیا اور اپنی قیمتی تحریروں سے عربی میں ادب اسلامی کو جو ایک خاص رخ عطا کیا، اس کو ان ہی کی سرپرستی میں ان کے تلامذہ بالخصوص مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے اردو کے قالب میں ڈھالا، چناں چہ سہ ماہی المجیب کے خاص نمبر میں میرزمانہ ڈاکٹر کلیم عاجز مرحوم نے مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کی خوبیوں اور صلاحیتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اخیر میں لکھا ہے کہ ''ان کی صفات کیا بیان کروں۔ بس یہ کہہ دوں کہ میں نے مولانا کے وصال کی خبر سن کر پہلا خط برادرم طارق کو امریکہ سے لکھا۔ اس میں شاید یہی لکھا تھا کہ سعودی عرب میں ہی نہیں پورے عالم اسلام میں۔ علوم اسلامی کو ادب اردو میں سمونے والا کوئی نہ رہا۔ وہ سلسلہ مولانا عبداللہ عباس ندوی پر ختم ہو گیا۔(۱)

اسی طرح مولانا مرحوم کی کتاب نگارشات کے پیش لفظ میں پروفیسر محسن عثمانی ندوی نے لکھا ہے کہ ''یوں تو مولانا اردو، عربی اور انگریزی، تینوں زبانوں پر قدرت رکھتے ہیں اور تینوں زبانوں میں ان کے قلم سے وقیع کتابیں نکلی ہیں، لیکن ان کی اردو تحریریں ادب کامل اور حسن انشاء کا معیار قرار دی جاسکتی ہیں، اردو میں معیاری ادب کے لیے فارسی اور عربی پر عبور ضروری ہے اور اس کے ساتھ ادب عالیہ کے مطالعے کا

❖استاذ جامعہ رحمانی، مونگیر

(۱) سہ ماہی المجیب عبداللہ عباس نمبر، ص ۵۵

ذوق بھی لازمی ہے، فارسی، اردو اور عربی کے ہزاروں اشعار ان کی نوک زبان پر ہوتے ہیں۔'' (۱)

یہ سچ ہے کہ زبان ہوش مند کے ساتھ جب فکر ارجمند کی آمیزش ہوجاتی ہے تو مولانا عبداللہ عباس ندویؒ جیسا ادیب تیار ہوتا ہے اور جب اس کا دل دردمند بھی اس میں شامل ہوجاتا ہے تو ایسا ادب وجود میں آتا ہے جس کی تاثیر میں شتابہ لگا ہوا ہوتا ہے، اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ مولانا کی تصنیفات میں اختلاف موضوع کے باوجود ادب کا پہلو منفرد حیثیت کے ساتھ نمایاں طور پر نظر آتا ہے، چناں چہ ''ارشادات نبوی کی روشنی میں نظام معاشرت''، ''تفہیم المنطق'' (جس کے ذریعہ مولاناؒ نے منطق کو اسلامی ادب سے مربوط کردیا) ''ردائے رحمت''، ''مصائب کا مداوا''، ''کلیات عارف''، ''آفتاب نبوت کی چند کرنیں'' اور ''پیغمبر اخلاق وانسانیت'' وغیرہ، درجنوں کتابیں ایسی ہیں، جن کے اندر مولانا مرحوم نے بڑی خوبصورتی اور عمدگی کے ساتھ ادب اسلامی کو پیش فرمایا ہے، اول الذکر کتاب میں تو مولانا نے انسان کی روزمرہ کی عملی زندگی میں برتنے اور ضرورت پڑنے والے اسلامی آداب کو اردو میں پیش کرکے ایک بہت ہی بڑا کام انجام دیا ہے۔

یہ کتاب دراصل امام بخاریؒ کی بہت ہی اہم کتاب ''الادب المفرد'' کا اردو ترجمہ اور مختصر تشریح ہے، اس کے اندر وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جن کا تعلق فضائل ومحاسن اور آداب معاشرت وغیرہ سے ہے، جن سے اعمال کا شوق بڑھتا ہے اور حضور اکرم ﷺ سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے، اس کتاب کے اندر ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی فرمانبرداری، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی، تعلقات توڑنے کی سزا، بنت حوا کی پرورش وپرداخت پر اجر وثواب، اپنی اولاد کے ساتھ شفقت ومحبت کا برتاؤ، اپنے پڑوسیوں کے حقوق کی ادائے گی، یتیم اور بے سہارا بچوں کی پرورش کی فضیلت، خادموں کے ساتھ بہتر سلوک، ماتحتوں کا خیال، بڑوں کا احترام، کذب بیانی اور عیب جوئی سے پرہیز، جانوروں پر رحم، تکلیفوں پر صبر، لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کرانے کی اہمیت، مسلمانوں سے قطع تعلق کی ممانعت، مکر وچالبازی کی مذمت، مظلوم کی آہ سے بچنے کی لازمیت، وغیرہ سینکڑوں قسموں کے اسلامی آداب موجود ہیں۔

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے شروع سے اخیر تک پوری زندگی ادب اسلامی کی خدمت کی، ایک طرف دوران تدریس ندوہ میں ادیب اول کی مسند کی زینت رہے تو دوسری طرف رابطۂ ادب اسلامی کے پلیٹ فارم سے بھی سرگرم رہے، لسانیات پر پی ایچ ڈی کی تکمیل کی تو ام القری یونیورسٹی کے شعبۂ ادب کے استاذ بھی رہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے قلم سے دو درجن سے زائد اہم موضوعات پر ایسی کتابیں نکلیں جن کے سطر سطر میں ادب اسلامی پرویا ہوا ہے۔

---

(۱) نگارشات: مولانا عبداللہ عباس ندوی، مط: ہندوستان، جے کے آفیسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی، ناشر: مجلس علمی ذاکر باغ اوکھلا روڈ نئی دہلی، بار اول: ص ۹

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے نگاہ و دل میں بلا کی جستجو تھی، چناں چہ وہ قدیم و جدید تمام ادبی فن پاروں سے واقف تھے اور ہر طرف نظر رکھتے تھے، چناں چہ مولانا کی نگارشات نامی کتاب میں ایک عنوان ہے ''اردوئے قدیم میں اسلامی ادب کے نمونے'' اس کے تحت مولانا نے لکھا ہے کہ ''مولانا ولایت علی صاحبؒ، حضرت سید احمد بریلویؒ کے مرید بااختصاص اور خلیفہ تھے، فارسی میں ان کا ایک قلمی رسالہ ''رد شرک'' ہے، جو بلند مضامین پر مشتمل ہے، زبان بھی دل نشیں ہے اور معاشرے کے اندر پھیلے ہوئے مشرکانہ رسوم کی نشاندہی کر کے قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے ذریعہ ان کا رد کیا گیا ہے، ۔۔۔اس رسالہ کے اختتام پر ایک مختصر قصیدہ بھی ہے، آگے مولانا نے لکھا ہے کہ ''بہر حال یہ قصیدہ دینی لحاظ سے اپنی اہمیت رکھتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ سوا سو سال پہلے کی اردو اور انداز بیان کا بھی ایک اچھا نمونہ ہے'' (۱)

اس کے بعد مولانا نے نمونہ کے طور پر اس قصیدہ کو وہاں پر لکھ دیا ہے، دیکھنے والے دیکھ سکتے ہیں کہ جو قصیدہ اب سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانا ہو چکا ہے، اس کے باوجود دینی و اسلامی آداب کی کیسی ترجمانی کرتا ہے۔

ادب کے بارے میں مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کا موقف

ادب اسلامی کے سلسلہ میں مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کا رخ وہی ہے جو پیش رو مسلم ادباء کا رخ ہے وہ یہ کہ ادب کے اندر کسی طرح کے غیر اخلاقی مواد کو وہ قطعاً پسند نہیں کرتے تھے اور پورے طور پر اسلامی اقدار کی پابندی کرتے تھے، حالاں کہ ایسا بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ ادب کی دیگر اصناف سے واقف نہیں تھے؛ بلکہ افسانوی ادب، جیسے داستان، ناول، ڈرامہ، افسانہ، خاکہ، کہانی اور تنقید وغیرہ اور اسی طرح غیر افسانوی ادب، جیسے مقالہ، تبصرہ، لیکچر اور خطبہ وغیرہ، ان تمام اصناف ادب اور اسی طرح تمام اصناف سخن بھی سے مولانا عبداللہ عباس ندویؒ واقف تھے اور ان سب پر ان کی نگاہ بھی تھی؛ لیکن ان کا امتیاز یہ ہے کہ اپنے پیش رو صحیح الفکر ادباء بالخصوص حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی طرح انہوں نے کبھی بھی ادب میں غیر اسلامی اور غیر اخلاقی چیزوں کو پسند نہیں کیا۔

ادب اسلامی کے حوالہ سے مولانا کے خیالات و نظریات، ان کی فکری پختگی اور تادم واپسیں اس کی نشر و اشاعت کی کوششوں کو دیکھ کر ہم بلا تأمل یہ کہہ سکتے ہیں مولانا عبداللہ عباس ندویؒ ادب اسلامی کے ایک معتبر، مایہ ناز اور قابل صد افتخار ایسے ادیب باکمال تھے کہ ان جیسے ادباء کی معنویت ہر دور میں رہی ہے۔

(۱) حوالۂ سابق: ص ۱۸۳۔۱۸۸

مشترکہ خاندانی نظام
مشکلات اور حل

مفتی امداد الحق بختیار ❖

ہندوستان ایک قدیم ترین ملک ہے، یہاں کی کچھ اپنی تہذیب، اپنی روایات ہیں، اسلام نے جب سے یہاں اپنے برگ وبار پھیلائے، اسلام کی رعنائیوں اور اس کی ظاہری وباطنی خوبیوں سے متاثر ہو کر لوگ جوق در جوق حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے اور ہندوستان کے ایک بڑے حصے پر مذہب اسلام کا پرچم لہرانے لگا، مسجدوں، خانقاہوں اور مدرسوں میں اسلام کا پاکیزہ اور شیریں زمزمہ بلند ہونے لگا۔

لیکن ہندوستانی تہذیب وروایات اور طریقۂ رہن سہن جو ہندوستانیوں کی طبیعت اور فطرت میں قدیم زمانے سے سرایت کیے ہوئے تھا اور ان کی زندگی کا اٹوٹ حصہ بن چکا تھا، اسلام کا طویل سفر بھی ہندوستانی مسلم معاشرہ کو اس سے نجات نہ دلا سکا، ایسی بہت ساری رسم ورواج اور تہذیب وروایات ہیں جو اسلامیان ہند کو بری طرح جکڑے ہوئے ہیں، انہی میں سے ایک ''مشترکہ خاندانی نظام'' (Joint Family System) کی قدیم روایت ہے۔

یہ روایت پورے برصغیر میں عام ہے، شادی کے بعد ایک باپ کی تمام اولاد کا زندگی کے کئی اہم شعبوں جیسے رہن سہن، کھانا پینا اور کاروبار وغیرہ میں ایک ساتھ رہنا عزت واحترام کی علامت سمجھا جاتا ہے، اس شرکت میں نہ ذمہ داریاں تقسیم ہوتی ہیں، نہ حیثیت کا تعین اور نہ کوئی دیگر تفصیل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بعد میں سخت اختلافات کھڑے ہوجاتے ہیں اور جس گھرانے اور جس خاندان میں یہ رسم چلتی ہے، اسے معاشرے میں معزز گھرانہ اور خاندان سمجھا جاتا ہے، شادی کے فوراً بعد اگر کسی کے گھر میں بیٹے کا چولہا الگ ہوجائے، تو والدین اس میں اپنی بے عزتی محسوس کرتے ہیں اور معاشرے میں بھی اسے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، لیکن یہ مشرقی روایت ہے، اسے اسلامی تہذیب نہیں کہا جاسکتا۔

❖ استاذ جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدرآباد، انڈیا

مثبت پہلو

اجتماعیت میں بظاہر بہت سے فوائد نظر آتے ہیں: جیسے ایک ساتھ رہنے کو معاشرہ محبت کی علامت سمجھتا ہے، جس کے کچھ معاشرتی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں، نیز الگ الگ رہنے کی بہ نسبت بہت کم خرچ میں اتنا بڑا گھر چلتا ہے اور اگر وقتی طور پر گھر کا کوئی ایک فرد کاروبار سے مربوط نہ بھی ہو، تب بھی اس کا اور اس کی بیوی اور بچوں کا گذارا آسانی سے ہوتا رہتا ہے، مزید یہ کہ مال وجان کے تحفظ کے ساتھ ساتھ عزت وآبروی بھی محفوظ رہتی ہے، وہ کہیں بھی دو چار روز بلکہ مہینوں کا سفر بغیر کسی تشویش کے کرسکتا ہے، جب کہ الگ الگ رہنے کی صورت میں موجودہ دور میں پڑوسیوں سے ہر وقت خطرہ بنا رہتا ہے، اسی طرح مشترکہ خاندانی نظام کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر والدین معاش سے جڑے ہوئے نہ ہوں اور چھوٹے بھائی، بہن ہوں، تو اس نظام کے تحت ان کی کفالت بآسانی ہوجاتی ہے۔

منفی پہلو

یہ تو مشترکہ خاندانی نظام کا مثبت پہلو ہے اور اس کے بعض فوائد کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن اجتماعیت میں ان فوائد کے ساتھ ساتھ ایسے بھیانک دینی اور دنیوی نقصانات ہیں، جن کے سامنے ان فوائد کی کوئی حیثیت اور ان کا کوئی وزن باقی نہیں رہ جاتا۔

والدین کے حقوق کا ضیاع

ہندوستانی معاشرہ میں اکثر والدین مشترکہ خاندانی نظام کے نہ صرف قائل؛ بلکہ سختی کے ساتھ اس قدیم روایت پر کاربند رہتے ہیں، تاہم بعض ایسے بھی والدین ہیں، جو بعض مجبوریوں اور ناگزیر وجوہات کی وجہ سے کسی خاص اولاد یا سب کے تعلق سے اس نظام کو پسند نہیں کرتے؛ لیکن معاشرہ کے ڈر اور دباؤ کی وجہ سے کوئی ٹھوس اور مؤثر عملی اقدام کرنے سے عاجز رہتے ہیں، اُدھر بعض اولاد بھی اپنی نااہلی، احساس ذمہ داری نہ ہونے اور اپنے بیوی بچوں کا بوجھ نہ اٹھانے کی وجہ سے زبردستی مشترکہ نظام میں رہنا چاہتے ہیں، جس کی وجہ سے والدین سخت ذہنی دباؤ اور قلبی تکلیف میں ہر وقت مبتلا رہتے ہیں، نیز ایک ساتھ رہنے کی صورت میں خود اولاد سے اور بہت سے موقعوں پر ان کی بیویوں سے والدین کے حق میں بڑی بڑی کوتاہیاں سرزد ہوجاتی ہیں، ایسی اولاد کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ والدین کو تکلیف پہنچا کر، نہ صرف اپنا دین برباد کررہے ہیں، بلکہ دنیا بھی ویران کررہے ہیں، انہیں بروقت اپنی اس غلطی پر متنبہ ہونا چاہیے اور والدین سے معافی مانگنی چاہیے۔

بیوی کے حقوق کی پامالی

مخلوط خاندانی نظام میں عورت کی شخصی آزادی، نجی زندگی سے متعلق امور، آرزوئیں اور تمنائیں سب دفن ہوکر رہ جاتی ہیں، شریعت میں ایک بیوی ہونے کی حیثیت سے جو حقوق اسے دیے گئے ہیں، اس کا دس فیصد بھی اسے نہیں ملتا، بلکہ بہت سے علاقے اور گھرانے ایسے ہیں جہاں اسے ایک خادمہ سے زیادہ حیثیت نہیں دی جاتی، گھر کے بڑے سے لے کر چھوٹے افراد تک اس پر اپنا حکم صادر کرنے سے نہیں چوکتے اور اس سے خدمت لینے کو اپنا واجبی حق سمجھتے ہیں، ہمارے معاشرے میں بہو گھر کی ایک بے حیثیت فرد ہوتی ہے، جس کی اپنی کوئی مرضی، کوئی پسند اور کوئی رائے نہیں ہوتی، دوسروں کی پسند، دوسروں کی خوشی اور ان کی رائے اس پر زبردستی تھوپی جاتی ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ بہت سے ظالم اور جاہل شوہر بیوی کے حقوق سے نابلد ہوتے، وہ بیوی کا اپنے اوپر سوائے دو وقت کے کھانے کے کوئی حق نہیں سمجھتے، ہر وقت اپنے غیض وغضب اور زہر میں ڈوبے ہوئے الفاظ سے اس کی دل شکنی کرتے ہیں اور اگر وہ ''اف'' بھی کرے، تو اس مظلومہ کو تختۂ مشق بنا دیا جاتا ہے، یہ انتہائی جاہل اور بدترین قسم کے لوگ ہوتے ہیں، وہ بیوی کو اپنے ماں باپ، بھائی، بھابھی اور بہنوں کے حوالے چھوڑ دیتے ہیں، وہ جیسا چاہیں اس کے ساتھ سلوک کرتے رہیں، نہ اس کی خواہشات اور تمناؤں کا لحاظ کیا جاتا ہے، نہ مناسب نان ونفقہ اور ماہانہ خرچ کی طرف توجہ کی جاتی ہے، ایسے لوگ اسلام کو زندہ کرنے والے نہیں، بلکہ بدنام کرنے والے ہیں، اس کے پاسباں نہیں بلکہ راہزن ہیں، ان کے حق میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سخت وعیدیں بیان کی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس نظام میں والدین کے حقوق کے ساتھ بیوی کے حقوق کی بھی پامالی لازم آتی ہے۔

بھائیوں کے حقوق کا ضیاع

اجتماعیت کا ایک منفی پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی آڑ میں بعض افراد خانہ، کاہل، سست اور کام چور ہوجاتے ہیں، ایک دو فرد کماتے ہیں اور وہ اپنی پوری پونجی گھر کے خرچ میں دیتے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے بعض اوقات خود ان کو اور ان کے بیوی بچوں کو پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے؛ اگرچہ وہ اپنی ذاتی شرافت کی وجہ سے کچھ کہتے نہیں؛ لیکن دل میں ناگواری ضرور محسوس کرتے ہیں، اور حدیث شریف میں ہے: **لا یحل مال امرءٍ مسلم إلا بطیب نفسه.**

اکثر ایسے گھروں میں بڑی اولاد کے بچوں کی مکمل پرورش، پوتے، پوتیوں کی محبت کے جذبے

سے دادا، دادی ہی کرتے ہیں، جس سے ان کی کاہلی اور سستی میں مزید اضافہ ہوتا ہے، نیز چھوٹا بھائی سخت محنت ومشقت سے کمانے کے باوجود بڑوں کے احسان تلے دبا رہتا ہے اور اس کا دل اسے محسوس بھی کرتا ہے، مگر معاشرہ کی وجہ سے وہ زبان نہیں کھول پاتا، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ والد کے ساتھ جو بھائی کاروبار میں شریک ہوتا ہے، والد کی وفات کے بعد وہی کاروبار کا مالک سمجھا جاتا ہے، دوسرے بھائیوں کو کچھ دیا بھی جاتا ہے تو بہت کم، نیز بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے، جو بھائی کاروبار میں اہم حیثیت رکھتا ہے، وہ اختلافات کے وقت دیگر بھائیوں کو خالی ہاتھ روڈ پر کھڑا کر دیتا ہے۔

چیزیں مشترک رہنا

اسی طرح بعض اوقات چیزیں مشترک رہنے اور معاملات واضح نہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے، جیسے ہندوستانی معاشرہ میں اس کو بھی اتحاد واتفاق اور محبت کی علامت سمجھا جاتا ہے کہ والد کے انتقال کے بعد وراثت تقسیم نہ کی جائے، سالہا سال تک زمین وجائداد مشترک رہتی ہے، بسا اوقات نہ ان سے حاصل ہونے والی پیداوار اور آمدنی کا حساب وکتاب نہیں ہوتا، بہنوں کو ان کا حصہ نہیں دیا جاتا، بھائیوں میں بھی حق تلفی ہوتی رہتی ہے، جس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اخیر میں ایک بڑے اختلاف اور باہمی نزاع کے بعد اتحاد واتفاق کا یہ بھرم چکنا چور ہو جاتا ہے۔

باہمی نزاع

اہل بصیرت حضرات نے پُر امن اور پُر سکون زندگی کے لیے یہ ضابطہ بتایا ہے: ”**تعاشروا کالإخوان و تعاملوا کالأجانب**“ (یعنی آپس میں بھائیوں کی طرح رہو اور معاملات اجنبیوں کی طرح کرو) لیکن آج کل ان دونوں جملوں کے اول جزو میں قلب واقع ہو گیا ہے اور ”**تعاملوا کالإخوان وتعاشروا کالأجانب**“ (معاملات بھائیوں کی طرح کرو اور آپس میں اجنبیوں کی طرح رہو) کی صورت حال پیدا ہو گئی ہے، چناں چہ اجتماعیت میں ایک دوسرے کی حق تلفی اور معاملات کی صفائی نہ ہونے کی وجہ سے دلوں میں جو کدورت اور بدگمانی پکتی رہتی ہے، بعض اوقات وہ زبان سے بھی ظاہر ہو جاتی ہے اور باہمی اختلافات اور آپسی جھگڑے کا باعث بنتی ہے، جس سے دین بالکل ضائع ہو کر رہ جاتا ہے، حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: **وفساد ذات البين هي الحالقة** یعنی آپس کے جھگڑے، آپس کی نفرتیں اور ناچاقیاں یہ مونڈنے والی چیزیں ہیں، ایک دوسری حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: میں یہ نہیں کہتا کہ آپس کے یہ جھگڑے تمہارے بالوں کو مونڈنے والے ہیں؛ بلکہ یہ

جھگڑے تمہارے دین کو مونڈنے والے ہیں۔ لہذا اس ناگوار صورت حال سے بچنے کی ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

ظلمِ بے جا

مشترکہ خاندانی نظام کی بہت سی خرابیوں میں سے بعض گھروں میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ گھر کی بڑی یا لاڈلی بہو گھریلو کام کاج میں انتہائی سست ہوتی ہے، جب کہ دوسری بہو پورے گھر کا کام اکیلی کرتی ہے، سب کا کھانا پکاتی ہے، سب کے کپڑے دھوتی ہے، تمام برتن مانجتی ہے اور پورے گھر کی صفائی کرتی ہے، مجال نہیں کہ وہ اپنے کسی ذاتی کام میں لگ جائے، غرض دن بھر اسی میں لگی رہتی ہے، اس کے باوجود اسے طعنے سننے پڑتے ہیں، اور لاڈلی بہو کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا، کیوں کہ بسا اوقات ساس، سسر کی تائید اسے حاصل رہتی ہے، اس کی وجہ سے اس مظلومہ بہو کے دل میں شدید نفرت اور بغض وعداوت کی بھٹی سلگتی رہتی ہے، جس سے اس کی زندگی اجیرن بن کے رہ جاتی ہے۔ اس ظلم کے ذمہ دار وہ والدین بھی ہیں جو اس طرح کے نظام کو لازمی طور پر نافذ رکھنے پر مصر رہتے ہیں، لہٰذا انہیں اپنی آنکھیں کھولنی چاہیے اور آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔

بے پردگی

اس نظام کا ایک انتہائی خطرناک پہلو یہ ہے کہ اس میں کئی خاندان اور ان کے بچے ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہیں، جس سے لازمی طور پر بے پردگی ہوتی ہے، محرم وغیر محرم کا اختلاط ہوتا ہے اور اس سے بے شمار برائیاں وجود پذیر ہوتی ہیں اور تعجب یہ ہے کہ عوام کا تو ذکر نہیں کہ وہ بے چارے نہ شرعی احکام جانتے ہیں اور نہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں؛ لیکن بہت سے خواص بھی ایسے ہیں جو اسے محسوس نہیں کرتے، یا جانتے ہوئے اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ایسے نظام میں بھابھیوں اور دیوروں کے درمیان بے پردگی عام رہتی ہے، جس کے بہت سے غلط نتائج بھی سامنے آتے ہیں، ورنہ کم از کم وہ ہر وقت بے پردگی کے گناہ میں تو مبتلا رہتے ہی ہیں، جس کی نحوست اور وبال سے انسان دنیا اور آخرت دونوں میں دوچار ہوگا۔

گھر کے ذمہ داروں میں سے اگر کسی ایک نے بھی اپنے اہل وعیال کی طرف سے بے توجہی برتی، جس کی وجہ سے ان کے بچوں کچھ بے راہ روی آئی، تو اس کے برے اثرات سے گھر کے تمام ہی افراد اور سارے بچے متاثر ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اس نظام میں بچوں کی صحیح پرورش ایک چیلنج بن جاتی ہے۔

نیز جب یہ بچے اور بچیاں بڑے ہوکر بلوغ کی عمر کو پہنچتے ہیں، تو بعض اوقات عفت وعصمت کے تحفظ کا بھی سوال کھڑا ہوجاتا ہے؛ بالخصوص موجودہ ہوس ناکی، بے حیائی اور فحاشی وعیاشی کے دور میں یہ خطرہ مزید سنگینی اختیار کرلیتا ہے، ایک گھر میں رہنے والے بچے اور بچیوں میں چوں کہ ہر وقت ساتھ اٹھنا، بیٹھنا رہتا ہے، کوئی ان کے اخلاق اور آپسی میل ملاپ پر شک بھی نہیں کرتا، شیطان ایسے لڑکوں اور لڑکیوں کو غلط کاری کے زیادہ مواقع فراہم کراتا ہے۔ اور اس کے بے شمار واقعات روزمرہ سننے اور پڑھنے میں آتے ہیں۔

ردِعمل

مشترکہ خاندانی نظام کے ان منفی پہلوؤں سے تنگ آکر بہت سے نوجوان انتہائی سخت فیصلہ لے لیتے ہیں، باغیانہ طرز اختیار کرکے بیٹھتے ہیں، خاندان اور والدین سے ایسے دور ہوجاتے ہیں کہ پھر بہت کم پلٹ کر انہیں دیکھتے ہیں، آپس میں ایک گہری خلیج پیدا ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے پورا خاندانی نظام توڑ پھوڑ اور انتشار کا شکار ہوجاتا ہے، دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف سخت نفرت بیٹھ جاتی ہے اور وہ بالکل مغربی خاندانی نظام کے طرز پر چلنے لگتے ہیں، جس میں نہ والدین کا کوئی حق ہے، نہ اولاد کا، نہ رشتوں کا کوئی تقدس ہے اور نہ خاندان کا کوئی احترام۔ یعنی ایک غلطی سے دوسری بھیانک غلطی وجود میں آتی ہے، لہذا ہمیں موجودہ خاندانی نظام پر غور کرنا چاہیے، ہمارے اور معاشرے کے خودساختہ معیار پر زبردستی قائم رہ کر، اپنے گھر کو برباد اور اپنے دین کو خراب نہیں کرنا چاہیے، اسلام نے گھر کے ہر فرد کے جو حقوق طے کیے ہیں، ہمیں ان کا لحاظ کرنا چاہیے، جس سے ہمارا گھرانہ راحت وسکون اور خوشی ومسرت کا گہوارہ بن جائے گا؛ جہاں ہر ایک کا احترام ہوگا، ہر ایک کو آزادی ہوگی، ہر ایک کھلا پن محسوس کرے گا۔

قسط (۴)

امام ابوحنیفہؒ کی وحدانیات: ایک جائزہ

مولانا عصمت اللہ نظامانی ❖

امام ابوحنیفہ کی حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی سے بلاواسطہ راویت: امام ابوحنیفہ حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ سے بلاواسطہ ایک روایت نقل کرتے ہیں، اور وہ درج ذیل ہے: **عن أبی حنیفة أنه قال: حججت مع أبی سنة ست وتسعین ولی ست عشرة سنة، فإذا أنا بشیخ قد اجتمع الناس علیه فقلت لأبی: من هذا الرجل؟ فقال: هذا رجل قد صحب محمدا ﷺ، یقال له عبد الله ابن الحارث بن جزء، فقلت لأبی: أی شیء عنده؟ قال: أحادیث سمعها من النبی ﷺ، فقلت: قدّمنی إلیه حتی أسمع منه، فتقدم بین یدی فجعل یفرج عنی الناس حتی دنوت منه فسمعته یقول: سمعت رسول الله ﷺ یقول: من تفقه فی دین الله کفاه الله همه ورزقه من حیث لا یحتسب.** (۱)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے ۹۶ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کیا، اس وقت میری عمر سولہ سال تھی، وہاں میں نے ایک عمر رسیدہ شخص کو دیکھا جس کے اردگرد لوگ جمع تھے، میں نے اپنے والد سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حضور ﷺ کے صحابی ہیں، ان کا نام عبداللہ بن حارث بن جزء ہے۔ میں سوال کیا کہ ان کے پاس کیا چیز ہے (کہ لوگ جمع ہیں) تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کے پاس حضور ﷺ سے سنی ہوئی احادیث ہیں، میں نے اپنے والد سے کہا کہ مجھے ان کے قریب کیجئے؛ تاکہ میں بھی سن سکوں، لہذا میرے والد مجھ سے آگے چلنے لگے اور لوگوں کو مجھ سے دور ہٹانے لگے، یہاں تک میں ان صحابی کے قریب ہوکر سننے لگا، وہ فرمارہے تھے کہ میں نے حضور ﷺ کو سنا، آپ فرما رہے تھے: جو شخص اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانیوں سے کافی ہوجائے گا (یعنی ختم کردے گا) اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا۔

❖ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

(۱) ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ (ت ۴۶۳ھ)، جامع بیان العلم وفضلہ، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، (ص: ۶۶)

پانچواں صحابی: حضرت عبداللہ بن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن ابی حبیبہ انصاری صحابی ہیں، صلحِ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔ (۱) اور امام ابوحنیفہ نیجو روایت ان سے بلا واسطہ نقل کی ہے، وہ روایت انہوں نے حضور ﷺ کے بجائے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے سنی تھی، لہٰذا کسی کو یہ گمان نہ ہونا چاہیے کہ یہ عبداللہ بن ابی حبیبہ کوئی تابعی ہیں، بلکہ علامہ ابن عابدین شامی (۲) اور شیخ عبدالرشید نعمانی وغیرہ نے امام ابوحنیفہ کے اس شیخ عبداللہ بن ابی حبیبہ کیصحابی ہونے کی تصریح کی ہے۔ (۳)

امام ابوحنیفہ کی حضرت عبداللہ بن ابی حبیبہ سے بلا واسطہ راویت: امام ابوحنیفہ حضرت عبداللہ بن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہ سے بلا واسطہ ایک روایت نقل کرتے ہیں جو کہ درجِ ذیل ہے۔

عن ابی حنیفة عن عبدالله بن أبی حبیبة قال :سمعت أبا الدرداء رضی الله عنه یقول :کنت ردیف رسول الله ﷺ فقال یا ابا الدرداء !من شهد ألا إله إلا الله وأنی رسول الله مخلصا وجبت له الجنة، قال فقلت له :وإن زنی وإن سرق فسار ساعة ثم عاد لکلامه قال فقلت :وإن زنی وإن سرق فسار ساعة ثم عاد لکلامه فقلت :وإن زنی وإن سرق فقال :وإن زنی وإن سرق وإن رغم أنف أبی الدرداء .(۴)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ حضرت عبد اللہ بن ابی حبیبہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابودرداءؓ کو یہ فرماتے سنا: میں حضور ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اے ابودرداء! جس نے اخلاص کے ساتھ اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور میں اس کا رسول ہوں تو اس کے لیے جنت واجب ہوجائے گی، میں عرض کیا: اگرچہ اس نے زنا اور چوری جیسے گناہ کیے ہوں؟ آپ ﷺ تھوڑی دیر چلے، اور پھر وہی کلام فرمایا تو میں نے دوبارہ عرض کیا کہ اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو؟ حضور ﷺ تھوڑی دیر چلیاور پھر وہی کلام فرمایا تو میں نے بھی وہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اگرچہ اس نے زنا کیا ہو، اگرچہ اس نے چوری کی ہو، چاہے ابودرداء کو ناگوار ہی کیوں نہ لگے۔

چھٹا صحابی: حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ، حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ میں سے ہیں، اور کچھ عرصہ حضور ﷺ کی خدمت کرنیکا بھی ان کو شرف حاصل رہا ہے، ان کی تاریخِ وفات میں اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق ان کا انتقال سن ۸۶ھ کو ہوا۔ (۵) اس حساب سے امام صاحب کی

---

(۱) الصیمری، أخبار أبی حنیفة وأصحابه، (ص:۱۸ والخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، (۴/۵۰)
(۲) ابن حجر العسقلانی، الإصابة فی تمییز الصحابة، رقم الترجمة ۴۶۳۹: (۴/۴۷)
(۳) ابن عابدین، محمد أمین بن عمر (ت ۱۲۵۲ھ)، ثبت ابن عابدین المسمی عقود اللآلی فی الأسانید العوالی، الناشر: دار البشائر الإسلامیة بیروت، ط ۱۴۳۱ھ-۲۰۱۰م، (ص:۲۵۴)
(۴) النعمانی، عبدالرشید، التعلیق القویم علی مقدمة کتاب التعلیم، الناشر: لجنة إحیاء الأدب السندی، حیدرآباد، (ص:۶۵)
(۵) أبو یوسف، یعقوب بن إبراهیم (ت ۱۸۲ھ)، کتاب الآثار، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت، (ص:۱۹۷) وابن مندہ، یحیی بن عبدالوہاب ۵۱۱ھ)، معرفة أسامی أرداف النبی ﷺ، الناشر: المدینة للتوزیع بیروت، ط ۱۴۱۰ھ، (ص:۷۹)

عمر اس وقت چھ سال تھی، اور یہ عمر سماع کے لیے کافی ہے، کیونکہ اکثر محدثین کے نزدیک بچے کا پانچ سال کی عمر میں حدیث کا سماع وغیرہ درست ہوتا ہے۔ جیسا کہ مقدمہ ابن الصلاح میں ہے: **التحديد بخمس هو الذى استقرّ عليه عمل أهل الحديث المتأخرين .(۱)**

امام ابوحنیفہ کی حضرت واثلہ بن اسقع سے بلاواسطہ روایات: امام ابوحنیفہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے تین روایات بلاواسطہ نقل کرتے ہیں، اور وہ درج ذیل ہیں۔

پہلی روایت: **عن أبى حنيفة عن واثلة بن الأسقع، أن رسول الله ﷺ قال: د ع ما يريبك إلى ما لا يريبك .(۲)**

ترجمہ: امام ابوحنیفہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو چیز تم کو شک میں ڈالیا سے چھوڑ کر شک میں نہ ڈالنے والی چیز اختیار کرو۔

دوسری روایت: **عن أبى حنيفةؒ: سمعت واثلة بن الأسقعؓ يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول : لا تظهرن شماتة لأخيك فيعافيه الله ويبتليك.(۳)**

ترجمہ: امام ابوحنیفہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: اپنے بھائی کی تکلیف اور مصیبت پر ہرگز خوش نہ ہو، کہیں اللہ تعالیٰ اس کو عافیت دے کر تم کو اس میں مبتلا نہ کردے۔

تیسری روایت: **عن أبى حنيفة رحمه الله قال :لقيت سبعة من أصحاب رسول الله ﷺ وسمعت من كل واحد منهم خيراً، لقيت واثلة بن الأسقع وسمعته يقول :قال رسول الله ﷺ :لايظن أحدكم أنه يتقرب إلى الله بأقرب من هذه الركعات يعنى الصلوات الخمس .(۴)**

ترجمہ: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے سات صحابہ سے ملاقات کی، اور ان میں ہر ایک کو میں نیکی کی بات کہتے سنا، میں واثلہ بن اسقع سے ملا تو میں انہیں یہ کہتے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز یہ گمان نہ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان پانچ نمازوں کے علاوہ کسی دوسری عبادت کے ذریعے جلدی قرب حاصل کرسکے گا۔ (جاری)

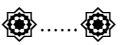

---

(۱) ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، رقم الترجمۃ ۲۷۳۸: (۴/۱۵۶۳)

(۲) ابن الصلاح، عثمان بن عبدالرحمٰن ۶۴۳ھ، علوم الحدیث المعروف بمقدمۃ ابن الصلاح، النوع الرابع والعشرون، الناشر: دار ابن الجوزی القاہرۃ، ط ۱۴۳۳ھ: ۲۰۱۲م، (ص: ۶۹)

(۳) السیوطی، تبییض الصحیفۃ، (ص: ۳۶) (۴) الخوارزمی، جامع المسانید (۸/۸۶)

قسط (۱)

حضرت مولانا حافظ محمد احمد نانوتویؒ

مولانا محمد معاذ لاہوری❖

حضرت مولانا حافظ محمد احمد نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء کو قصبہ نانوتہ میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے یہاں ہوئی (۱)، آپؒ حضرت نانوتویؒ کے اکلوتے فرزند تھے، پانچ بہنوں کے بعد جب آپؒ کی ولادت ہوئی تو دادا شیخ اسد علیؒ نے گندم خیرات کی اور خوشیاں منائیں۔ (۲)

حضرت مولانا حافظ محمد احمد نانوتویؒ کی عمر تعلیم کے قابل ہوئی تو رامپور میں ایک جید حافظ صاحب قاری نور محمد صاحبؒ کی خدمت میں بٹھا دیا گیا، قاری صاحب نے آپ کو جانفشانی اور محنت سے پڑھایا تا آنکہ آپ نے نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ مکمل کیا (۳) یہ زمانہ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء بنتا ہے۔ نوعمری میں حفظ مکمل کرنے پر اعزہ آپ کو ''حافظ صاحب'' کے نام سے پکارنے لگے، یہ لقب اس قدر مقبول ہوا کہ ہر مقام پر آپ کی پہچان اسی لقب سے ہوتی۔ (۴)

حفظ قرآن کے فوراً بعد آپؒ کا نکاح حضرت نانوتویؒ کے ماموں زاد بھائی مفتی محمد یٰسین صاحب کی صاحبزادی سے ہوا۔ (۵)

حفظ قرآن اور نکاح کے بعد حافظ احمد صاحبؒ کا اصل تعلیمی سفر شروع ہوا، آپ کو تعلیم کے لئے گلاؤٹھی، ضلع بلند شہر بھیجا گیا، یہاں آپؒ کی تعلیم مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں ہوئی، اس وقت یہاں آپؒ کے بہنوئی مولانا عبداللہ انبیٹھویؒ صدر مدرس تھے (۶)، آپ نے درس نظام کے ابتدائی درجات اسی مدرسہ میں پڑھے، یہاں آپؒ عمر کے بارہویں سال تک رہے، یہ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء کا زمانہ ہے۔

❖ استاذ جامعہ اسلامیہ فریدیہ، لاہور

(۱) عکس احمد، مولانا محمد شکیب قاسمی، مطبوعہ: حجۃ الاسلام اکیڈمی، دارالعلوم وقف دیوبند، طباعت ۲۰۱۴، ص: ۴۸

(۲) دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، از حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی، مطبوعہ مکتبہ فیض القرآن، دیوبند، طباعت ۱۹۹۹ء، ص: ۸۳

(۳) عکس احمد، ص: ۵۲ (۴) عکس احمد، ص: ۵۲ (۵) دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص: ۸۳

(۶) نقوش حیات فخر المحدثین حضرت مولانا نصیر احمد خان، تالیف مولانا خلیل الرحمٰن قاسمی بلند شہری، ص: ۴۰

مولانا حافظ محمد احمد نانوتویؒ کی تعلیم یہاں تک کی معلومات تو اتفاقی ہیں، اس کے بعد آپؒ نے کہاں اور کس سے تعلیم حاصل کی، اس میں جگہ کی تعیین اور زمانہ کا اختلاف ہے۔اس سلسلے کا اولین ماخذ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کی تحریر ہے، اس تحریر کو درج کرنے کے بعد اس پر چند معروضات پیش کی جائیں گی، حضرت قاری صاحبؒ رقم طراز ہیں:

اس کے بعد اونچی تعلیم کے لئے حضرت حافظ صاحبؒ کو مرادآباد کے مدرسہ قاسم العلوم، مسجد شاہی میں بھیجا، یہ مدرسہ بھی حضرت (نانوتویؒ) ہی نے قائم فرمایا تھا، اس زمانے میں مدرسہ کے صدر مدرس حضرت نانوتویؒ کے شاگرد رشید وخلیفہ خاص حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ تھے، جنہیں حضرت نانوتویؒ کے بعد گویا ان کا قائم مقام سمجھا جاتا تھا، حافظ صاحبؒ نے فنون کی متعدد کتابیں حضرت امروہیؒ سے اسی مدرسہ شاہی میں رہ کر پڑھیں، اسی درمیان میں حضرت نانوتویؒ کو اپنے صاحبزادے کو خود ہی تعلیم دینے کا خیال پیدا ہوا اور آپؒ نے حافظ صاحبؒ کو مرادآباد سے دیوبند بلا لیا.....لیکن حضرت کی وفات کا زمانہ قریب آچکا تھا، سفر حج کی تیاریاں تھیں، اور اسی سفر میں مرض وفات شروع ہوا، اس لئے جس خصوصی تعلیم کے لئے صاحبزادے کو بلایا تھا وہ نہ ہوسکی اور حضرت حافظ صاحبؒ نے مدرسہ دیوبند میں اپنی بقیہ تعلیم پوری کی۔‘‘(۱)

اس طویل اقتباس کے حاصل نکات یہ ہیں:

(۱) گلاوٹھی کے بعد حافظ صاحبؒ حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ سے پڑھنے آئے۔

(۲) مولانا امروہیؒ سے استفادہ مدرسہ شاہی مرادآباد ہی میں ہوا، جہاں حضرت امروہیؒ صدر مدرس تھے۔

(۳) حضرت نانوتویؒ نے سفر حج پر جانے سے قبل حافظ صاحب کو دیوبند برائے تعلیم بلوالیا تھا۔

(۴) اس کے بعد کا تمام استفادہ دارالعلوم دیوبند میں ہوا۔

ان نکات میں پہلا، تیسرا اور چوتھا اتفاقی نکات ہیں، جب کہ دوسرا نکتہ اختلافی اور تاریخی طور پر درست نہیں، اس اجمال کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

حافظ صاحب مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی سے ۱۲۹۲ء/۱۸۷۵ء میں حضرت امروہیؒ سے استفادہ کیلئے روانہ ہوئے، یہ استفادہ شعبان ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء تک رہا، کیوں کہ شوال ۱۲۹۴ھ/اکتوبر ۱۸۷۷ء میں حضرت نانوتوی مع رفقاء حج کے لئے روانہ ہوگئے تھے،

(۱) دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص:۸۴، ۸۵

حضرت حافظ صاحبؒ کا یہ تمام استفادہ مدرسہ شاہی مراد آباد کا لکھا ہوا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء تا ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء کے دورانیہ میں مدرسہ شاہی کا وجود تھا بھی یا نہیں؟ اور حضرت امروہیؒ وہاں صدر مدرس تھے بھی یا نہیں؟ اس قضیہ کے حل کے لئے ہم مدرسہ شاہی سے جاری کردہ ندائے شاہی کے تاریخ شاہی نمبر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہٗ اپنے مقالہ ''سرپرستان مدرسہ شاہی کا اجمالی تذکرہ'' میں رقم طراز ہیں:

''مدرسہ کے اولین سرپرست حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے، آپؒ ہی کی ایماء واشارہ پر صفر ۱۲۹۶ھ میں مدرسہ شاہی کا قیام عمل میں آیا، آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ اس مدرسہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔'' (۱)

مولانا احمد حسن امروہیؒ کے زمانہ صدارت کے متعلق لکھا ہے:

''زمانہ صدارت صفر ۱۲۹۶ھ تا شوال ۱۳۰۳ء کل مدت: سات سال ۹ ماہ'' (۲)

مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ حضرت محدث امروہیؒ کی تدریس تفصیلات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت امروہوی سب سے پہلے خورجہ میں مدرس مقرر ہوئے، وہاں سے کچھ عرصہ کے لئے سنبھل کے مدرسہ جامع مسجد میں درس دیا، پھر مدرسہ عبدالرب دہلی میں پہنچ کر درس وتدریس کی خدمت انجام دی، ۱۲۹۶ھ سے ذی قعدہ ۱۳۰۳ھ تک مدرسہ شاہی مراد آباد میں صدر مدرس رہے، آخر میں اپنے وطن امروہہ کے مدرسہ جامع مسجد میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔'' (۳)

ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا حافظ احمد نانوتویؒ کا حضرت امروہیؒ سے استفادہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں نہیں، کیوں کہ جس زمانے میں حضرت امروہیؒ وہاں صدر مدرس رہے اس زمانے میں حافظ صاحب دیوبند میں زیر تعلیم تھے، جیسا کہ ابھی رودادوں کے حوالہ جات سے واضح ہوگا، اسی طرح یہ زمانہ حضرت نانوتویؒ کے سفر حج (شوال ۱۲۹۴ھ تا ربیع الاول ۱۲۹۵ھ) کے بعد کا ہے، جبکہ حافظ صاحبؒ کا استفادہ سفر حج سے پہلے کا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حافظ صاحبؒ نے محدث امروہیؒ سے استفادہ کس جگہ کیا؟ اس سلسلے میں اوپر ذکر کردہ آخری حوالہ میں اشارہ موجود ہے کہ مدرسہ شاہی سے قبل مولانا احمد حسن امروہیؒ مدرسہ عبدالرب دہلی میں صدر مدرس تھے، ۱۲۹۲ھ میں مدرسہ عبدالرب کی ابتداء پر حضرت نانوتویؒ نے آپ کا تقرر وہاں کیا تھا۔ (جاری)

(۱) ندائے شاہی کا تاریخ شاہی نمبر، بابت نومبر، دسمبر ۱۹۹۲ء، مرتب مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہٗ، ص: ۲۷۲، ۲۷۳۔
(۲) ندائے شاہی کا تاریخ شاہی نمبر، ص: ۲۹۲
(۳) ندائے اہی کا تاریخ شاہی نمبر، ص: ۲۹۵، حاشیہ نمبر ۲

ماہ رجب سے متعلق فضائل واحکام
قرآن وحدیث کی روشنی میں

محمد طیب حنیف ❖

اللہ رب العزت اپنی تمام مخلوق میں انسان کو اشرف واکرم بنایا، اس کی فطرت میں نیکی وبدی، بھلائی وبرائی، تابعداری وسرکشی اور خوبی وخامی دونوں ہی قسم کی صلاحیتیں اور استعدادیں یکساں طور پر رکھ دی ہیں۔ نیز انسانوں میں سے بعض کو بعض کو فضیلت بخشی، بعض کو رفع درجات سے نوازا تو کسی کو اپنے سے ہم کلامی کا شرف عطا کیا۔ اسی طرح دیگر مخلوقاتِ عالم میں فرق مراتب کا لحاظ رکھا، چنانچہ زمین وآسمان، انس وجن میں تفاوتِ مراتب نمایاں ہے، اسی طرح مہینہ وایام میں بھی بعض کو جزوی فضائل کے لحاظ سے مقدم رکھا ہے، اسی بناء پر قمری مہینہ رجب کو بعض پہلوؤں کے لحاظ سے دیگر مہینوں سے امتیاز حاصل ہے، ذیل میں رجب کے متعلق چند فضائل واحکام پیش خدمت ہیں۔

''رجب'' کی وجہ تسمیہ

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''سمی الشهر رجب رجبا؛ لأنه يترجب؛ أي: يتكثر ويتعظم فيه خير كثير لشعبان ورمضان'' (۱) عربوں میں بطور صیغہ یوں استعمال کیا جاتا ہے: ''رجب فلانا أي هابه وعظمه'' عربوں میں اس مہینہ کی عظمت وتقدس کے سبب اس کو ''رجب'' سے تعبیر کیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ عربوں میں اس کو ''رجب الأصم'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا، جس کا معنی یہ ہے کہ اس ماہ کی عظمت وتقدس کی وجہ سے غیر مسلم بھی اس میں جنگ وحرب سے خود کو باز رکھتے تھے، تھا، نیز اس ماہ میں ''يا قوماه ويا صباحاه''، جیسی ایمرجنسی کی صدائیں بلند کرنے نوبت نہیں آتی تھی (۲) اس کی تائید ایک مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے: ''إن رجب شَهْرُ اللَّهِ، وَيُدْعَى الأَصَمَّ،

❖ متعلم تخصص فی علوم الحدیث

(۱) فیض القدیر للمناوی، حدیث نمبر 4718، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر، 4/113

(۲) لسان العرب، 1/413، دار صادر، بیروت

وَكَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا دَخَلَ رَجَب يُعَظِّلُونَ أَسْلِحَتَهُمْ وَيَضَعُونَهَا، فَكَانَ النَّاسُ يَأْمَنُونَ وَتَأْمَنُ السُّبُلُ، وَلا يَخَافُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتَّى يَنْقَضِيَ"(۱)

رجب الأصم کہنے کی وجہ

اس حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک موقوف روایت ہے:"وَسُمِّيَ أَصَمَّ؛ لأَنَّ الْمَلائِكَةَ تُصَمُّ أَذَانُهَا؛لِشِدَّةِ ارْتِفَاعِ أَصْوَاتِهَا بِالتَّسْبِيحِ وَالتَّقْدِيسِ"(۲)

ماہ رجب کی فضیلت

ماہ رجب چونکہ اشہر حرم کا حصہ ہے،اس بناء پر اشہرِ حرم سے متعلق وارد عمومی فضائل بھی اس کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہیں،لیکن بعض خصوصی فضائل کا بھی ثبوت ملتا ہے،جس سے مزید اہمیت کا اندازہ لگانا ممکن ہے،یہی وجہ ہے کہ ابن دحیہ رحمہ اللہ نے اس مہینہ کے اٹھارہ نام ذکر کیے ہیں(۳)،لہٰذا سے "كثرة الأسماء تدل على شرف المسمى" (ناموں کی کثرت مسمی کے شرف وفضیلت کی دلیل ہے) کے ضابطہ کے تحت اس کی اہمیت وفضیلت واضح ہوتی ہے،بہرحال قرآن وحدیث کی روشنی میں چند فضائل پیش خدمت ہیں:

۱-قابل احترام مہینہ

ماہ رجب ان مہینوں میں سے ہے جن کو"اشہر الحرم" سے جانا جاتا ہے،ان مہینوں میں مشرکینِ مکہ بھی خون خرابہ سے احتراز کرتے تھے،ان کی فضیلت کا قرآن مجید میں یوں ذکر ہے:إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ.(۴)

"عن أبي بكرة رضي الله عنها، عن النبي ﷺ، قال :الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السموات والأرض، السنة اثنا عشر شهرا، منها أربعة حرم، ثلاث متواليات:ذوالقعدة وذوالحجة والمحرم ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان(۵)"

(۱) شعب الایمان للبیہقی،فصل،حدیث۳۵۳۲،مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع،۵/۳۳۸
(۲) فضل رجب لابن عساکر،حدیث نمبر۸،مؤسسۃ الریان بیروت،فضائل شہر رجب للخلال،حدیث نمبر۱۳،دار ابن حزم،۱/۶۹
(۳) تبیین العجیب لابن حجر ص۲۳،مؤسسۃ قرطبۃ
(۴) سورۃ التوبۃ،آیت نمبر۳۶
(۵) سنن ابوداؤد،حدیث نمبر۱۹۴۷،المکتبۃ العصریۃ،بیروت،۲/۱۹۵

۲- نیک عمل کے اجر میں اضافہ اور برائی کی شناعت میں زیادتی

محققین کے مطابق ان مہینوں میں بطور خاص گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال کا اہتمام کرنا چاہیے، اللہ رب العزت نے جس طرح بعض کو بعض پر فوقیت وفضیلت سے نوازا ہے، یہ ایام بھی اللہ کی عطا ہیں، جس کے سبب ان ایام کو خاص فضیلت بخشی ہے، اور ان میں گناہوں کے وبال میں اضافہ ہے، اور یہ متفقہ ضابطہ ہے کہ زمانے یا مکان کی خصوصیت سے اس عمل میں شدت پیدا ہوجاتی ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ (فلا تظلموا فیھن أنفسکم) ''سو ان مہینوں میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا'' کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت ہے کہ فرمایا: ''لا تَظْلِمُوا أَنْفُسَكُمْ فِي كُلِّهِنَّ، ثُمَّ اخْتَصَّ مِنْ ذَلِكَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَجَعَلَهُنَّ حُرُمًا، وَعَظَّمَ حُرُمَاتِهِنَّ، وَجَعَلَ الذَّنْبَ فِيهِنَّ أَعْظَمَ، وَالْعَمَلَ الصَّالِحَ وَالأَجْرَ أَعْظَمَ.''(۱)

۳- روزے رکھنے کی ترغیب

اشہر حرم میں روزے کی فضیلت سے متعلق آثار صحابہ سمیت حدیث مرفوع بھی منقول ہے، چنانچہ سنن ابی داؤد کی روایت ہے: ''ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ اللہ کے رسول، آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ نبی ﷺ نے دریافت کیا: تم کون ہو؟ یعنی میں نہیں پہچانتا۔ اس نووارد نے عرض کیا: میں باہلی (نسبت سے معروف شخص) ہوں، جو آپ کے پاس ہجرت کے پہلے سال حاضر خدمت ہوا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیا ہوگیا، تمہاری تو اچھی خاصی حالت تھی؟ جواب دیا: جب سے آپ کے پاس سے گیا ہوں رات کے علاوہ کھایا ہی نہیں (یعنی مسلسل روزے رکھتا رہا ہوں)۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم نے خود کو سزا میں کیوں مبتلا کر رکھا ہے؟ پھر فرمایا: تم صبر کے مہینہ (رمضان) کا روزہ رکھو، اور ہر مہینہ میں ایک روزہ رکھو۔ انہوں نے عرض کیا: اور اضافہ کر دیجیے، کیونکہ مجھ میں مزید روزے رکھنے کی طاقت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر دو دن روزہ رکھ لیا کرو، انہوں نے کہا: اس سے زیادہ کی میرے اندر طاقت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تین دن کے روزے رکھ لیا کرو۔ انہوں نے کہا: اضافہ کیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: حرمت والے مہینوں میں روزہ رکھو اور چھوڑ دو، حرمت والے مہینوں میں روزہ رکھو اور چھوڑ دو، حرمت والے مہینوں میں روزہ رکھو اور چھوڑ دو، آپ ﷺ نے اپنی تین انگلیوں سے اشارہ کیا، پہلے بند کیا پھر انگلیوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔''(۲)

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، دار الکتب العلمیۃ، ۴/۱۳۰، تفسیر الطبری، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴/۲۳۸

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب فی صوم اشہر الحرم، حدیث نمبر ۲۴۲۸، المکتبۃ العصریۃ، ۲/۳۳۲

مذکورہ روایت کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور کبار تابعی میں سے حسن بصریؒ سے اس مہینہ میں روزہ رکھنے کا ثبوت ملتا ہے۔(۱)

ملاحظہ: ''اشہر حرم'' میں چونکہ رجب کا مہینہ بھی داخل ہے، لہٰذا مذکورہ آثار کی روشنی میں اس مہینہ میں روزہ رکھنے کی بھی ترغیب معلوم ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ماہ رجب میں روزہ سے متعلق متعدد روایات پیش کر کے ان کی اسنادی حیثیت کو جانچنے کے بعد بطور تبصرہ لکھتے ہیں: ''ماہ رجب کے روزوں کی فضیلت سے متعلق روایات عام طور پر دو قسم میں منحصر ہیں: (۱) ضعیف روایات (۲) موضوع روایات

چند سطور بعد اسنادی حیثیت سے ان تمام روایات پر ضُعف کا حکم لگایا ہے (۲)۔ لیکن یاد رہے کہ روزہ خود مستقل ایک نیک عمل ہے، اور پھر رجب کا اَشہرِ حرم میں ہونا اس کے ثواب میں اضافہ کا باعث ہے، لہٰذا اس مہینہ میں کسی بھی دن کسی خاص و متعین اجر و عقیدہ کے بغیر روزہ رکھنا یقیناً باعث خیر وامر مستحب ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ''دوسری حیثیت رجب میں شہرِ حرام ہونے کی ہے، جو اس (رجب) میں اور بقیہ اشہر حرم میں مشترک ہے، پہلی حیثیت سے قطع نظر صرف اس دوسری حیثیت سے اس میں روزہ رکھنے کو مندوب (پسند) فرمایا گیا ہے۔(۳)

۳- آغاز مہینہ پر دعا کا اہتمام

امام بیہقی رحمہ اللہ کی شعب الایمان کی روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''**كان رسول الله ﷺ إذا دخل رجب قال :اللهم بارك لنا في رجب وشعبان وبلغنا رمضان**''(۴)

فائدہ: اس روایت کی سند میں ایک راوی ''زائدۃ'' پر بعض ائمہ فن نے کلام کیا ہے، بعض نے ثقہ ومعتبر قرار دیا ہے (۵)، البتہ یہ روایت معنی ومفہوم کے لحاظ سے درست ہے، اور اکابرین کا اس پر عمل بھی رہا ہے۔ نیز فضائل کے باب میں توسع وگنجائش کی بناء پر اس دعا کو پڑھنے میں حرج نہیں۔(۶)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق، کتاب الصوم، باب فی صیام اشہر الحرم، ۷۸۵۶، المجلس العلمی، ۴/۲۹۲، مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الصوم، باب ماذکر فی صوم المحرم واشہر الحرم، ۹۲۲۵، مکتبۃ الرشد الریاض، ۲/۳۰۰

(۲) تبیین العجیب لابن حجر ص ۳۳، مؤسسۃ قرطبۃ

(۳) امداد الفتاوی (مجموعہ فتاوی جات حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مرتب مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب)، ۲/۱۳۴ ط زکریا بک ڈپو انڈیا الھند

(۴) شعب الایمان للبیہقی، تخصیص شھر برجب، رقم الحدیث ۳۵۳۴

(۵) مجمع الزوائد، باب فی فضل شہور البرکۃ وفضل شہر رمضان: ۱۰/، ط: مکتبۃ القدسی القاھرۃ.

(۶) تذکرۃ الموضوعات للطاھر الفتنی: / ، ادارۃ الطبعات المنیریۃ

اس دعا کی وضاحت کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا أَيْ :فِي طَاعَتِنَا وَعِبَادَتِنَا، فِي رَجَبٍ وَشَعْبَانَ، وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ، أَيْ :إِدْرَاكَهُ بِتَمَامِهِ، وَالتَّوْفِيقَ لِصِيَامِهِ وَقِيَامِهِ"(۱)

ماہِ رجب عوام الناس میں رائج دیدہ ودانستہ غلطیوں کی اصلاح:

۱- واقعہ اسراء کی تاریخ

آج کل عوام یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سفرِ اسراء ومعراج جس میں جنت و دوزخ کا مشاہدہ، حق تعالیٰ شانہ کا قرب، پانچ نمازوں کا تحفہ اور دیگر بڑی بڑی نشانیوں کی زیارت کا شرف یہ حتمی طور پر ستائیسویں رجب کو حاصل ہوا تھا، جبکہ واقعۂ معراج کے حوالہ سے کسی صحیح حدیث سے متعین دن کا ثبوت نہیں ملتا، عام طور پر اس دن مختلف محفلوں ومجلسوں کا انعقاد کرکے مختلف بدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ افسوس کہ ان مجالس کی زیرسرپرستی اور انتظامات دین دار سمجھے جانے والے لوگوں کے سپرد ہوتے ہیں، جو اس میں بڑھ چڑھ کر شریک کار نظر آتے ہیں۔ سفرِ معراج کس سال، کس مہینے اور کس دن میں واقع ہوا؟ علماء سیرت کے ہاں ان تینوں امور کی تعیین میں شدید اختلاف ہے، تاہم اتنی بات پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ بعثت نبوی ﷺ کے بعد اور ہجرت سے قبل پیش آیا۔ نیز مہینہ کی تعیین کے سلسلہ میں بھی پانچ اقوال ملتے ہیں:

(۱) ربیع الاول (۲) ربیع الثانی (۳) رجب (۴) رمضان (۵) شوال (۲)

یہاں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت، جن کی تعداد کم وبیش پینتالیس تک ذکر کی گئی ہے، جنہوں نے اجمالاً وتفصیلاً اس واقعہ کو نقل کیا ہے، لیکن اس کے باوجود اس رات میں مخصوص عبادت واہتمام کو نقل کرنا تو دور اس عظیم سفر کی تاریخ کا تعین ہی نہیں کیا گیا۔

۲- ستائیسوئیں رجب کا روزہ

کسی بھی معتبر سند سے مروی روایت میں اس دن سے متعلق کوئی خاص نفلی عبادت منقول نہیں ہے، لہٰذا اس دن سے متعلق مخصوص ثواب کی نیت سے روزہ رکھنا درست نہیں ہے، فتاوی دار العلوم دیوبند میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ: "ستائیسویں رجب کو جسے عوام "ہزارہ کا روزہ" کہتی ہے، اور اس کے روزے کے ثواب کو ہزار روزوں کے برابر تصور کرتی ہے، اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔"(۳)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح، باب الجمعۃ، ۳/۱۰۲۲، رقم الحدیث ۱۳۶۹، دار الفکر بیروت

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح الزرقانی علی المواھب الدنیۃ ۲/۶۷، دار الکتب العلمیۃ

(۳) فتاوی دار العلوم دیوبند مکمل ومدلل، ۶/۴۰۶، مکتبہ حقانیہ، ملتان

۳- رجب کے کونڈے

عوام میں رائج غلط رسوم میں ایک اصلاح طلب رسم کونڈے کی ہے، جس کے لئے ۲۲/رجب کا دن مختص کیا گیا ہے اور مختلف من گھڑت پس منظر بیان کرکے اس کے اثبات وجواز کی کوشش کی جاتی ہے جس میں کثیر العیال فقر وفاقہ میں گرفتار شخص کی زندگی کی حضرت جعفر صادقؒ کے نام پر کونڈے تیار کرنے کی برکت سے معاشی فراخی وانقلاب کی جھوٹی داستان کو بیان کیا جاتا ہے، جبکہ درحقیقت روافض کی جانب سے حضرت معاویہؓ کی وفات پر خوشی کے اظہار کے لئے ایک حیلہ اختیار کیا جاتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو ایسی رسومات سے احتراز کرنا چاہیے۔(۱)

۴- صلاۃ الرغائب

عوام میں یہ بات معروف ہے کہ ستائیسویں رجب کو مغرب کے بعد بارہ رکعت چھ سلام سے مخصوص سورتوں کے ساتھ اس نماز کے بعد مخصوص کلمات سے منقول درود شریک کے اہتمام کو امر مندوب سمجھا جاتا ہے، نیز ایک مرفوع روایت پیش کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے:

”عَنْ أَنَسٍؓ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: ”فِي رَجَبٍ ليلةٌ يُكْتَبُ لِلْعَامِلِ فِيهَا حَسَنَاتُ مِائَةِ سَنَةٍ، وَذٰلِكَ لِثَلَاثٍ بَقِينَ مِنْ رَجَبٍ، فَمَنْ صَلَّى فيها اثنتى عشرة ركعةً، فقرأ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً مِنَ الْقُرْآنِ، يَتَشَهَّدُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُسَلِّمُ فِي آخِرِهِنَّ، ثُمَّ يَقُولُ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلا إِلَهَ إِلا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ مِائَةَ مَرَّةٍ، وَ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِائَةَ مَرَّةٍ، وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ مِائَةَ مَرَّةٍ، وَيَدْعُو لِنَفْسِهِ مَا شَاءَ مِنْ أَمْرِ دُنْيَاهُ وَآخِرَتِهِ، وَيُصْبِحُ صَائِمًا، فَإِنَّ اللّٰهَ يَسْتَجِيبُ دُعَاءَهُ كُلَّهُ إِلا أَنْ يَدْعُوَ فِي مَعْصِيَةٍ.“(۲)

حافظ ابن حجر اور ابن جوزی رحمہما اللہ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے (۳) اور اس کے تمام راویوں کو مجہول قرار دیا ہے۔ اسی طرح علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی اس کے بدعت وجہالت ہونے پر تصریح فرمائی ہے، لہٰذا اس نوعیت کے عمل سے احتراز کرنا لازم ہے۔(۴)

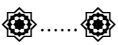

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے فضل وکرم سے نبی ﷺ کے بیان کردہ صحیح نہج وفکر سمیت اپنے احکامات پر عمل پیرا ہونے اور دوسروں تک ان کو پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(۱) تفصیل کے ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ، مجموعہ فتاوی جات مفتی محمود حسن گنگوہی صاحبؒ ۳/۲۸۱، ۲۸۲، باب البدعات والرسوم، ط: دارالافتاء جامعہ فاروقیہ

(۲) شعب الایمان للبیہقی، تخصیص شہر رجب بالذکر، ۵/۳۴۶، رقم الحدیث ۳۵۳۱

(۳) تبیین العجیب، ص ۵۵، نیز حافظ ابن حجرؒ نے اس پر مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے جو ”الانصاف لمافی صلاۃ الرغائب من الاختلاف“ کے نام سے موسوم ہے

(۴) شرح صحیح مسلم للنووی، باب کراھیۃ افراد یوم الجمعۃ بصوم، رقم الحدیث ۲۶۸۲

سرما؛ نیکیاں بڑھانے کا موسم

مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی ❖

اللہ تعالی نے انسانی طبیعت مزاج، رنگ ونسل، شکل وصورت اور خاندان وقبیلے میں جس طرح اختلاف رکھا ہے، اسی طرح سال کے موسموں میں بھی تبدیلی پائی جاتی ہے۔ ان موسموں کا بدلنا، درختوں کے پتوں کا رنگ بدلنا یا گر جانا، یہ سب تبدیلی کی نشانی ہے۔ تغیر ہی اس کائنات کا راز ہے۔ موسموں کی تبدیلی ہمیں ایک سبق دے کر جاتی ہے کہ کائنات کی ہر شے کو بدلنا ہے جو آیا ہے اس نے جانا ہے۔ جس پر آج عروج ہے کل زوال ہوگا۔ اللہ پاک نے سال میں چار موسم رکھے ہیں ان چار موسموں میں سے ایک موسم سرما ہے۔ پاک وہند میں موسم سرما کا آغاز ماہ دسمبر سے ہوتا ہے۔ لیکن پہاڑی علاقوں میں نومبر کے مہینے سے ہی سردی شروع ہوجاتی ہے، اس موسم میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی ہوجاتی ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں برف باری ہوتی ہے۔

سردی کا سبب

حضور اکرم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سردی کا سبب یہ ہے کہ یہ جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہوتی ہے، چنانچہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: جہنم نے اللہ تعالی کے حضور شکایت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے رب! میرا بعض حصہ بعض کو کھا رہا ہے، لہذا مجھے سانس لینے کی اِجازت مرحمت فرمایئے، چنانچہ اللہ تعالی نے اسے دو سانس لینے کی اِجازت دیدی، ایک سانس سردی میں اور دوسری گرمی میں، پس تم لوگ جو سردی کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہو تو وہ جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے اور جو گرمی کی تپش محسوس کرتے ہو وہ بھی جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے۔ (۱)

لہذا موسم کی تبدیلی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں چاہیئے کہ ہم لوگ جس طرح موسمِ سرما میں سردی سے اور موسم گرما میں گرمی سے بچنے کے لئے مختلف اسباب اور وسائل اختیار کرتے ہیں، اسی طرح آخرت میں شدت کی سردی اور گرمی سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے جہنم سے بچنے کے اسباب اختیار کریں۔

❖ مرکزی صدر اسلامک رائٹرز موومنٹ، پاکستان

(۱) صحیح مسلم: ۶۱۷، صحیح بخاری: ۳۲۶۰

موسم کو برا مت کہو

سردی وگرمی اللہ تعالی کی مخلوق ہیں، ان میں سختی وگرمی اللہ تعالی کے حکم سے ہے۔ لہذا انہیں گالی دینا یا برا بھلا کہنا جائز نہیں ہے۔

حدیث قدسی میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: آدم کا بیٹا مجھے دکھ دیتا ہے، وہ اسطرح کہ زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں خود (صاحب) زمانہ ہوں، سب کچھ میرے ہاتھ میں ہے۔ رات ودن کو میں ہی پھیرتا اور تبدیل کرتا ہوں۔ (۱)

مذکورہ حدیث میں دھر سے مراد زمانہ اور وقت دونوں ہی ہیں، کیوں کہ زمانہ اور وقت قریبا ایک ہی ہیں، وقت لمحے بھر کو بھی کہا جاتا ہے، جب کہ زمانہ کچھ مدت وقت کے لیے استعمال ہوتا ہے، گویا وقت زمانے کا ہی حصہ ہے۔ حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ زمانہ کو برا بھلا کہنا اور اپنی مشکلات اور دکھوں کو زمانے کی طرف منسوب کرکے اسے برا بھلا کہنا مشرکین عرب اور دھریہ کا کام ہے۔ زمانے کو برا بھلا کہنا در حقیقت اللہ تعالی کو برا بھلا کہنا ہے۔

ہوا کو برا مت کہو

جس طرح سردی وگرمی اللہ تعالی کی مخلوق ہیں، اسی طرح ہوا بھی اللہ تعالی کی پیدا کردہ مخلوق ہے، لہذا اسے گالی دینا، لعنت کرنا اور برا بھلا کہنا جائز نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہوا نے ایک شخص کی چادر اڑا دی، تو اس نے اس پر لعنت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس ہوا پر لعنت نہ کرو، اس لیے کہ وہ (تو اللہ کے حکم کی) تابعدار ہے، اور جو آدمی کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جس کی وہ حقدار نہ ہو تو وہ لعنت اسی کی طرف لوٹ آتی ہے۔ (۲)

بھلائی کی دعا، شر سے پناہ

تیز ہواؤں اور آندھیوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہوا اللہ کی رحمت میں سے ہے تو کبھی وہ رحمت لے کر آتی ہے، اور کبھی عذاب لے کر آتی ہے، جب تم اسے دیکھو تو اسے برا مت کہو بلکہ اللہ سے اس کی بھلائی مانگو، اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ (۳)

---

(۱) صحیح البخاری: ۴۸۲۶، بدالخلق، صحیح مسلم: ۲۲۴۶

(۲) صحیح ابی داؤد والرقم: ۴۹۰۸

(۳) صحیح ابی داؤد: ۵۰۹۷ والنسائی فی البر ۱۰۶۹۹، واحمد ۹۲۸۸

تیز ہوا کے وقت دعا

سردیوں میں جب تیز ہوائیں چلتی ہیں تو ہم جلدی سے گھر کے دروازے اور کھڑکیاں تو بند کر لیتے ہیں لیکن ایسے موقعوں پر تعلیمات نبوی ﷺ کو بھول جاتے ہیں، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تیز ہوائیں چلتیں تو نبی کریم ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے اس کی اور جو کچھ اس میں ہے اس کے خیر اور بھلائی کا سوال کرتا ہوں۔ اور جو کچھ اس کے ذریعے بھیجا گیا ہے اس کی خیر کا طلبگار رہوں اور میں اس کے شر اور جو کچھ اس میں ہے اور جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (۱)

بخار کو برا بھلا نہ کہو

موسم سرما میں سردی کی شدت کی وجہ سے لوگ مختلف بیماریوں مثلاً نزلہ، زکام اور بخار کا کثرت سے شکار ہو جاتے ہیں، تو اکثر لوگ ان بیماریوں کو کوسنا شروع ہو جاتے ہیں اور برا بھلا کہنے لگ جاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ نے ان تکالیف میں کیا اجر وثواب رکھا ہے، کسی بھی تکلیف یا بیماری کو برا بھلا یا گالی نہیں دینا چاہئے کیونکہ حدیث میں آتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری خاتون حضرت ام سائب یا حضرت ام مسیّب رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ام سائب یا ام مسیّب! تمہیں کیا ہوا؟ کیا تم شدت سے کانپ رہی ہو؟ انہوں نے کہا: بخار ہے، اللہ تعالیٰ اس میں برکت نہ دے آپ ﷺ نے فرمایا: بخار کو برا نہ کہو، کیونکہ یہ آدم کی اولاد کے گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کرتی ہے۔ (۲)

موسم سرما اور اعمال صالحہ

اللہ تعالیٰ نے ہمیں درجات کی بلندی اور گناہوں کی بخشش کیلئے وسائل اور اسباب سے نوازا ہے، ان وسائل میں سے ایک انتہائی اہم وسیلہ نیک اعمال ہیں، یعنی یہ اعمال صالحہ ہمارے گناہ مٹا دیتے ہیں اور دنیا وآخرت میں اجر عظیم کے مستحق بناتے ہیں۔ چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: دن کے دونوں سروں میں نماز قائم رکھ اور رات کی کئی ساعتوں میں بھی، یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لئے۔ (۳)

---

(۱) صحیح مسلم: ۸۹۹ (۲) صحیح مسلم: ۲۵۷۵ (۳) سورۃ ہود: ۱۱۴

نفلی روزے

سردی کے موسم میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی ہوتی ہیں لہذا روزے رکھنا بہت آسان ہے، اس لیے ان چھوٹے دنوں میں ایک مسلمان کے لیے نیکیاں اور ثواب کمانے کا ایک بہترین موقع ہے جس میں ذرا سی مشقت کو جھیل کر نہایت آسانی سے اپنی آخرت کے لیے بڑے بڑے ذخیرے جمع کیے جاسکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سردی مومن کے لئے بہار کا موسم ہے، (چنانچہ) اس کے دن چھوٹے ہوتے ہیں تو وہ روزہ رکھتا ہے اور راتیں طویل ہوتی ہیں جس میں وہ قیام کرتا ہے۔(۱)

حضرت عامر بن مسعود جمحی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اِرشاد فرمایا: سردی میں روزہ رکھنا ٹھنڈی غنیمت ہے۔(۲)

یعنی ایسی نیکی جو بغیر کسی جدو جہد اور مشقت کے مفت میں حاصل ہوجاتی ہے کیونکہ سردی میں دن چھوٹے اور اس کی راتیں لمبی ہوتی ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سردی کا موسم عبادت کرنے والوں کیلئے غنیمت کا موسم ہے۔(۳)

مشہور تابعی عبید بن عمیر لیثی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب سردی کا موسم آتا تو فرماتے: اے اہل قرآن تمہاری نمازوں کے لئے راتیں لمبی ہوگئی ہیں اور تمہارے روزے رکھنے کے لئے دن چھوٹے ہوگئے ہیں تو تم اسے غنیمت جانو۔(۴)

روزہ رکھنے کا عمل اللہ تعالی کو بہت پسند ہے اس لیے اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: جو ایک دن اللہ کے راستے میں روزہ رکھے اللہ تعالی اسے ستر سال کی مسافت کے برابر جہنم کی آگ سے دور کردے گا۔(۵)

سردی میں وضو کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے اِرشاد فرمایا: کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتلاؤں جس کے ذریعے سے اللہ تعالی گناہ معاف کردے اور درجات بلند کردے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! ضرور بتلایئے۔

---

(۱) السنن الکبری للبیہقی: ۸۴۵۶ (۲) صحیح الجامع ۳۸۶۸، وصحیح الترمذی ۷۹۷، مسند احمد ۱۸۹۷۹

(۳) رواہ ابن ابی شیب ۳۴۴۶۸ (۴) الزہد للامام حمد ۳۰۷، والمصنف لابن ابی شیب: ۹۸۲۶

(۵) صحیح البخاری/الجہاد ۲۸۴۰، ۳۶۔ صحیح مسلم/الصوم ۱۱۵۳، ۳۱

آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: (سردی وغیرہ کی) مشقت اور ناگواری کے باوجود کامل وضو کرنا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اور مساجد کی طرف کثرت سے قدم بڑھانا، پس یہی رباط (یعنی اپنے نفس کو اللہ کی اِطاعت میں روکنا) ہے۔(۱)

وضو میں اعضا مکمل دھونا

سردیوں کے موسم میں جب سردی کی شدت میں نہایت اضافہ ہوتا ہے تو بعض لوگ وضو میں سستی کرتے ہوئے پورے اعضا کو ٹھیک سے نہیں دھوتے، یہ طریقہ نہایت خطرناک ہے کیونکہ اس بارے میں نبی کریم ﷺ کی سخت وعید آئی ہے، چنانچہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے، کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ نے ہمیں پالیا، جب آپ ہمارے پاس پہنچے تو عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا، ہم لوگ وضو کرتے ہوئے پاؤں کو ٹھیک سے دھونے کے بجائے پاؤں پر جلدی میں ہاتھ پھیرنے لگے تو آپ نے بلند آواز سے فرمایا (سوکھی رہ جانے والی) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔

نمازیں مسجد میں ادا کرنا

سردی کی شدت کے باعث اکثر لوگ نماز باجماعت کی ادائیگی کے لیے مسجد جانے میں سستی کر جاتے ہیں، خاص کر نماز عشاء اور فجر میں زیادہ کوتاہی کرتے ہیں، جس کے باعث لوگ مسجد جانے، باجماعت نماز، نماز عشاء اور فجر اور اندھیرے میں مسجد جانے کی فضیلتوں اور اجر وثواب کی عظیم نعمتوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ نے اندھیرے میں نماز کے لیے مسجد جانے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: رات کی تاریکیوں میں مساجد کی طرف کثرت سے جانے والوں کو قیامت کے دن کامل نور کی خوشخبری دے دو۔(۲)

ہر قدم پر گناہوں کی بخشش اور درجات کی بلندی

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو اپنے گھر میں طہارت کرے پھر اللہ کے کسی گھر میں جائے تاکہ اللہ کے فرضوں میں سے کسی فرض کو ادا کرے تو اس کے قدم ایسے ہوں گے کہ ایک سے تو برائیاں اتریں گی اور دوسرے سے درجے بڑھیں گے۔(۳)

---

(۱) صحیح مسلم: ۲۵۱

(۲) صحیح ابی داؤد: ۵۶۱ والترمذی ۲۲۳

(۳) صحیح الترغیب۔ الرقم: ۲۹۹ واحمد، ۶۵۹۹ واللفظ لہ، وابن حبان ۲۰۳۹

خیر وعافیت کی دعا

موسمِ سرما کی ٹھنڈی ہواؤں اور ٹھٹھرتی راتوں میں یقیناً تکلیف تو ہوتی ہے، پھر اِن سرد اور ٹھنڈی ہواؤں میں بسا اوقات نزلہ زکام، کھانسی اور بخار وغیرہ بھی ہوسکتا ہے جس سے کئی قسم کی پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے، ایسے میں اِنسان کو چاہیئے کہ دل وجان سے اللہ کے فیصلہ پر راضی رہے، صبر سے کام لے اور اللہ سے عافیت کی دعا مانگتا رہے، کیونکہ یہی اس کے دکھوں کا مداوا اور یہی اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں کی دوا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو اللہ تعالی سے نہ مانگے تو اللہ تعالی اس پر ناراض ہوتا ہے۔(۱)

حضرت عباس بن مطلبؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی کہ مجھے کوئی ایسی چیز سکھایئے جسے میں اللہ رب العزت سے مانگتا رہوں، آپ نے فرمایا: اللہ سے عافیت مانگو، پھر کچھ دن رک کر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا: مجھے کوئی ایسی چیز بتایئے جسے میں اللہ سے مانگتا رہوں، آپ نے فرمایا: اے عباس! اے رسول اللہ کے چچا! تم اللہ سے دنیا وآخرت میں عافیت طلب کرو۔(۲)

موسم سرما اور صدقات وخیرات

احادیث میں صدقے کی بڑی فضیلت آئی ہے، اس کا اجر سات سو گنا تک ملتا ہے، پھر اگر صدقہ وخیرات لوگوں کی ضرورت کے موقع پر ہو تو اسکی فضیلت اور بڑھ جاتی ہے، خاص کر سردی کے موسم میں جبکہ لوگ سردی سے بچنے کے لئے، کپڑے، گرم لباس اور لحاف وغیرہ اور آمدنی میں کمی کی وجہ سے کھانے پینے کی چیزوں کے محتاج ہوتے ہیں تو ایسے ایام میں صدقہ کی فضیلت بڑھ جاتی ہے، اگر ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ ہمارے محلے میں، پڑوس میں اور ہمارے آس پاس کے علاقے میں کتنے ایسے لوگ ہیں جن کے پاس سردی سے بچنے کے لئے نہ کپڑے ہیں اور نہ لحاف اور نہ رضائی کا انتظام تو اہل ثروت ومخیّر حضرات کیلئے ایسے نادار لوگوں کی مدد کرنا اجر وثواب کمانے کا بڑا موقعہ غنیمت ہے لہذا سردی کے موسم میں ہمیں ان نادار اور غریب بھائیوں کو نہیں بھولنا چاہیئے، بلکہ نیکی کے اِس موقع سے فائدہ اٹھا کر آخرت کے لیے ذخیرہ وسامان کرنا چاہیئے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کی دنیاوی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو دور کردیا، اللہ تعالی اس کی قیامت کی پریشانیوں میں سے بعض پریشانیاں دور فرمادے گا، اور جس شخص نے کسی تنگ دست پر آسانی کی، اللہ تعالی دنیا وآخرت میں اس پر آسانی کرے گا۔(۳)

---

(۱) صحیح الترمذی: ۳۳۷۳ (۲) صحیح الترمذی: ۳۵۱۴

(۳) صحیح الترمذی: ۱۹۳۰، اخرجہ مسلم: ۲۶۹۹، وابن ماجہ: ۲۲۵، واحمد: ۷۴۲۷ وابوداؤد: ۴۹۴۶

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیواؤں اور مساکین کی مدد کرنے والا ان پر خرچہ کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے یا وہ مسلسل قیام کرنے والے اور روزے رکھنے والے شخص کی طرح ہے۔(۱)

توبہ و اِستغفار

اس وقت پوری دنیا میں موسمی تغیرات کا شور برپا ہے، طوفانی بارشوں سے کئی کئی بستیاں اور دیہات صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ہیں۔ آئے دن کے زلزلوں اور طوفانوں کی وجہ سے کس قدر بڑے اور وسیع پیمانے پر لوگوں کی جانوں اور مالوں کا نقصان ہونے لگا ہے۔ ان حالات سے نجات کے لئے ضروری ہے کہ ہم گناہوں پر ندامت اختیار کرتے ہوئے، توبہ واستغفار، رب سے مناجات اور خصوصی دعاؤں کا اہتمام کریں۔ کثرتِ استغفار منہج نبوی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! اللہ کی طرف توبہ کیا کرو کیونکہ ایک دن میں اللہ سے سو بار توبہ کرتا ہوں۔(۲)

موسم سرما کی طویل راتوں میں ہر طرف سکون، اطمینان اور فضا میں سناٹا طاری ہوتا ہے، تمام لوگ گہری نیند سو رہے ہوتے ہیں۔ اس پرسکون ماحول میں انسان ایک کمزور اور بے بس انسان کی حیثیت سے اپنے رب کی رحمت، فضل اور احسان طلب کرنے کے لیے اپنے ہاتھ اوپر کو اٹھا دیتا ہے تو اس وقت اللہ رب العزت توبہ و رحمت کے دروازے کھول کر اپنے بندوں کے قریب تر آجاتے ہیں، گناہوں اور معصیتوں کے سمندروں میں ڈوبے ہوئے انسانوں کیلئے لمحۂ فکریہ ہے کہ ہم کس قدر توبہ واستغفار کے محتاج ہیں؟

قارئین کرام! قرآن وحدیث کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سردیوں کا موسم عبادت کا موسم ہے۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ نیک کاموں میں صرف کریں، نفلی روزے رکھیں۔ ان دنوں میں رمضان کے قضا روزے بھی آسانی سے رکھے جاسکتے ہیں۔ صدقہ وخیرات کریں، راتیں بہت لمبی ہیں، انہیں تہجد، دعا واستغفار، تلاوت قرآن پاک، ذکر واذکار، اور درود شریف جیسی عبادات میں خرچ کریں۔

اللہ پاک ہمیں چند روزہ قرآن وسنت کے مطابق بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

(۱) صحیح بخاری: ۶۰۰۷ (۲) صحیح مسلم: ۲۷۰۲

قسط: ۴

قرآنِ کریم کی طب سے متعلق
آیات کا عصری تناظر میں مطالعہ

ڈاکٹر فہد انوار❖

سب سے پہلے جو چیز تخلیق کے لیے درکار ہے وہ مرد کی منی ہے۔ قرآن کریم اس آب حیات کو" نطفہ "سے تعبیر کرتا ہے۔ نطفہ حقیقت میں تھوڑے پانی کو کہتے ہیں۔ جدید طب اس بات کو مانتی ہے کہ منی میں پائے جانے والے لاکھوں میں سے ایک کے ذریعے انسان کی تخلیق وجود پاتی ہے۔ قرآن پاک تمام سائنسی تحقیقات سے پیشتر اس حقیقت کو نطفہ سے تعبیر کر چکا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: خَلَقَ الْإِنْسانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ. (۱)

پھر قرآن کریم نے اس نطفے کو ''امشاج'' سے یاد کیا ہے۔ امشاج کا مطلب ہے مخلوط۔ مخلوط کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نطفے کے مختلف اجزاء ہیں۔ آج جدید سائنس کے مطاق منی مندرجہ ذیل اجزا سے مرکب ہے:

۱- مردانہ حیاتیاتی جرثومے Sperms

۲- مندرجہ ذیل سے نکلنے والی رطوبت

I- واس ڈیفیرز Vas Deferens

II- سیمنل ویزیکلز Seminal Vesicles

III- غدود Prostate

IV- یورتھرا کے غدود Urethral Glands

V- بلبو یورتھویل غدود Bulbourethral Glands

(سپرمز) ہوتے ہیں منی لیس دار ہوتی ہے کیونکہ اس میں رطوبت شامل ہوتی ہے۔ ایک انزال میں نکلنے والی منی میں تقریبا چار سو ملین جرثومے

❖ مدرس کلیۃ العلوم الاسلامیہ اسلام آباد، استاد شعبہ فزیالوجی راولپنڈی میڈیکل یونیورسٹی

(۱) النحل: ۴

Concise Phsiolog by ShehzadGulThe Developing Human by keeth and parsuad.

مرد وعورت کے حیاتیاتی جرثو مو کے ملاپ (فرٹیلائزیشن) کے نتیجے میں حاصل ہوے والا وجود رحمِ مادر میں قرار پکڑ کر مختلف ارتقائی مراحل طے کرتا رہتا ہے۔

قرآن کریم کے الفاظ دیکھیں اور تمام علوم وتحقیقات پر قرآن کریم کی برتری ملاحظہ فرمائیں۔

سورۃ الحج میں ہے: وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى. (۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہے: ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ. (۲)

قرآن کریم میں انسان کی پیدائش کے ضمن میں ''علق'' کا لفظ کئی جگہ آیا ہے۔ علق کا ترجمہ جمے ہوئے خون سے کیا جاتا ہے، لیکن معروف موریس بوکائل نے اپنی تصنیف میں ایک نکتہ اٹھایا ہے جو قابل غور ہے۔ ان کے مطابق ''علق'' کا ترجمہ اگر 'ایسی چیز جو دوسری سے چمٹ جائے' سے کیا جائے تو قرآنی مطلب کی ادائیگی بھی ہو جائے گی اور جدید طبی تحقیق کو اعتراض کا موقع بھی نہ ملے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید تحقیق کے مطابق آدمی اپنی تحقیق کے مراحل میں جمے ہوئے خون کے مرحلے سے کبھی نہیں گزرتا، البتہ رحم مادر میں داخل ہونے کے بعد رحم سے جڑوں کی طرح کی چیزوں سے خوراک حاصل کرتا ہے۔ (۳)

موریس بوکائل کی اس بات کو پڑھنے کے بعد میں نے لغت میں علق کو مطلب دیکھا تو مندرجہ ذیل مطالب نکلے: خون، ہاتھ سے چمٹنے والی مٹی، درخت کا وہ حصہ جہاں جانور پہنچ سکیں، جونک۔ (۴)

ان مطالب پر نظر کرنے سے بھی موریس بوکائل کی بات کی ایک درجہ میں تائید ہو رہی ہے۔ بہرحال اہل علم اس پر غور فرمالیں۔ رحم مادر میں قرار پکڑنے کے بعد کے بعد جنین ارتقاء کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔ اس دوران اس کے مختلف اعضاء بنتے ہیں، ہڈیاں بنتی ہیں اور وہ سب کچھ بنتا ہے جو اس انسان کے لیے علیحدہ وجود کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ جدید تحقیقات کے ذریعے اب ان تمام مراحل کو ہفتوں اور دنوں کے اعتبار سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم فرقان حمید کئی صدیاں پہلے اس تمام عمل کو مرحلہ وار بیان کرتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ. (۱)

---

(۱) الحج: ۵ (۲) المؤمنون: ۱۳ (۳) (The Quran, Bible and Science)
(۴) المنجد العربی (۱) الحج: ۵

سورۃ المؤمنون میں ارشاد ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الإِنْسانَ مِنْ سُلالَةٍ مِنْ طِينٍ. ثُمَّ جَعَلْنهُ نُطْفَةً فِي قَرارٍ مَكِينٍ. ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظاماً فَكَسَوْنَا الْعِظامَ لَحْماً ثُمَّ أَنْشَأنهُ خَلْقاً آخَرَ فَتَبارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخالِقِينَ (۱)

تخلیق انسانی کے یہ مراحل قدرت الٰہی کا واضح ثبوت ہیں۔ مختلف اعضاء کا وجود مختلف خلیوں کے ایک خاص انداز میں ترتیب پانے سے ہوتا ہے جو مطلوبہ عضو کی تشکیل کرتے ہیں۔ تمام اعضاء ایک متناسب ہیئت کے ساتھ وجود پاتے ہیں۔ کسی عضو میں کمی بیشی واقع ہو جائے تو نتیجۃً معذور انسان بنتا ہے۔ قرآن کریم انسان کو اس طرف متوجہ کر کے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا نقش دل میں جماتا ہے۔

سورۃ الانفطار میں ہے: يَا أَيُّهَا الْإِنسانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ. الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ . فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شاءَ رَكَّبَكَ (۲)

انسانی تخلیق ایسے بہت سے کارناموں پر مشتمل ہے۔ جنہیں بلاشبہ محیر العقول کہا جا سکتا ہے، لیکن فطرت انسان ہے کہ جو چیز عام ہوتی ہے اس کی طرف توجہ کم ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں انسان کی غفلت سے نکالنے کے لیے خود اس کے پیدائش اور وجود کو پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ انسان کو اس کی تخلیق کے وقت کا ٹھکانہ یاد کرا کر اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور برتری کا اثبات کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے :

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ. (۳)

قرآنِ کریم نے تخلیقِ انسانی کے جس پہلو پر جس زمانے میں روشنی ڈالی ہے اسے سامنے رکھ کر اس کلام کی عظمت کا دل سے قائل ہونا پڑتا ہے۔ اس عظمت کا اعتراف واضح یا غیر واضح لفظوں میں غیر مسلموں کو بھی کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ کیتھ مور اور پرساد اپنی کتاب میں قرونِ وسطی میں علم جنین کے تحت رقم طراز ہیں:

"قرون وسطی میں سائنس کی پروان سست تھی اور اس دور میں کی گئی علم جنین کی تحقیقات میں سے چند ہی اہم باتیں ہمیں معلوم ہیں۔ البتہ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن (ساتوں صدی عیسوی) میں درج ہے کہ انسان مرد و عورت کی خارج ہونے والی رطوبت کی آمیزش سے پیدا ہوتا ہے۔ انسان کے نطفہ (چھوٹا سا قطرہ) سے تخلیق ہونے کے متعلق بہت سے حوالے دیے گئے ہیں۔ یہ کتاب بھی یہی کہتی ہے کہ نتیجے میں بننے والا جاندار رحم میں بیج کی طرح جگہ پکڑتا ہے، اپنی ابتدا کے چھ دن بعد ابتدائی جنین کی جونک جیسی ہیئت کے متعلق بھی حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنین بعد مراحل میں ایسی چیز کے مشابہ ہو جاتا ہے جسے چبایا گیا ہو۔ (۴) (جاری)

(۱) سورۃ المؤمنون ۱۲ تا ۱۴ (۲) سورۃ الانفطار ۶ تا ۸ (۳) الزمر: ۶
(۴) The Developing Human, Pagelo W.B, Saunders Company

قسط (۲۵)

علم کلام جدید

تعارف، مسائل اور مباحث: اصولِ نانوتوی کی روشنی میں

حکیم فخر الاسلام ❖

جب یہ بات معلوم ہوگئی، تو اب سمجھنا چاہیے کہ عالمِ اجسام میں جو نسبت دھوپ کو شعاعِ آفتاب سے ہے، وہی نسبت [ممکنات، عارضی موجودات، یہاں تک کہ] وجودِ انسانی کو وجودِ اصلی [خدا تعالی] کے ساتھ ہے۔ جس طرح دھوپ کی حقیقت سمجھنا شعاعِ آفتاب کے علم پر موقوف ہے، اُسی طرح انسان کی خود اپنی معرفت وجودِ اصلی [خدا تعالی] کی معرفت پر موقوف ہے۔ جب یہ باتیں معلوم ہوگئیں، تو اب الامام محمد قاسم نانوتویؒ کے الفاظ و معانی سے قرب و وصل پیدا کرنا کچھ دشوار نہیں، وہ فرماتے ہیں: سب حقائق و موجودات اُسی خدا تعالی کے فیضِ وجود سے کائنات میں جلوہ گر ہوئے ہیں:

معرفتِ وجودِ انسانی کا اصل سبب موجودِ اصلی کی معرفت

''مگر چوں کہ [انسان کو] سب میں اول اپنی ذات کا علم ہوتا ہے اور اپنی حقیقت اُس [خدائے موجود اصلی] کا ایک پرتو [فیضِ وجود] ٹھہرا، تو بیشک اپنا پہچاننا اور [اپنا] علم، اُس کے پہچاننے اور اُس کے علم پر موقوف ہوگا۔''(۱)

گویا ظاہرِ نظر میں انسان کو اپنی معرفت پہلے حاصل ہوتی ہے؛ مگر ['عارضی' اور 'اصلی' کی حقیقت اور اُن کے ربط کی وضاحت سے معلوم ہو چکا ہے کہ] انسان کو- وجودِ انسانی کے پرتوِ فیضِ خداوندی ہونے کی وجہ سے- پہلی اور اصلی معرفت خدا تعالی کی ہوئی، اُس معرفت کی وجہ سے اپنی معرفت ہوئی۔

مغالطۂ ڈیکارٹ

'وجودِ عارضی' اور 'وجودِ اصلی' کی اِس حتمی اور قطعی حقیقت سے روگردانی کرنے والا سب سے بڑا

❖ فاضل درسیات، بی یو ایم ایس علی گڑھ۔ ایم ڈی یونانی جامعہ ہمدرد، دہلی

(۱) ''تشریح حجۃ الاسلام'' ص ۵۹، ۶۰

باغی رینے ڈیکارٹ (Rene Descartes ۱۵۹۶ تا ۱۶۵۰ء) ہے۔ اِسے جدید فلسفہ کا بانی کہا جاتا ہے، اِس نے "I think therefore I am." کہہ کر 'ذہنِ انسانی' کے توسط سے وجودِ انسانی کو تو اصل ٹھہرا کر شک وشبہے سے بالاقرار دیا اور باقی ہر شی کو یہاں تک کہ خدا کو بھی قابلِ سوال اور لائقِ شک گردانا۔ اُس نے اپنے فلسفۂ طریقِ تشکیک کے سہارے بتایا کہ شک کرنے کا عمل ایک فکری عمل اور موجود حقیقت ہے، جس کا خالق انسانی ذہن بھی موجود ہونا چاہیے۔''

اِزالۂ مغالطہ

ڈیکارٹ نے یہ خیال نہ کیا کہ خود انسان ایک عارضی شی ہے، اُس سے وابستہ فکری عمل بھی ایک عارضی شی ہے۔ اور جس طرح فکری عمل عارضی ہے، اُسی طرح اِس فکری عمل کا فاعل یعنی ذہن بھی ایک عارضی شی ہے۔ کل نہیں تھا، آج ہے، کل نہیں رہے گا۔ اگر [ذہن] کو نوع کہیے، تو بھی نوع کا وجود بغیر شخص کے محال ہے۔ تو جب ہر شخص حادث ہوگا تو قدمِ نوع کی کیا صورت ہوگی؟ معلوم ہے کہ حادث شی عارضی ہوا کرتی ہے اور ہر عارضی کے لیے کسی اصلی کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ اِس اصول کے تحت ذہن انسانی سے پہلے اِس ذہن کو وجود بخشنے والے موجود اصلی خدا کی موجودگی کا اِقرار ضروری ہے۔ ڈیکارٹ، ذہنِ انسانی کی موجودگی کے اِحساس سے 'موجودِ اصلی' کے وجود کی بدیہی حقیقت تک رسائی سے قاصر رہا۔ اور افسوس ہے کہ ڈیکارٹ کے اِسی 'موجودِ اصلی' کی حقیقت کے باب میں طریقِ تشکیک کی اساس پر خدا جانے کتنے فلسفے پروان چڑھے، کتنے مسلمان مفکرین مصنّفین لاادری، تشکیکی خیالات کی طرف مائل ہوگئے۔

تقاضائے معرفتِ خداوندی

گزشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ انسان کا اپنا پہچاننا خدا کے پہچاننے اور اُس کی معرفت پر موقوف ہے؛ ''مگر [آگے اِس کے تقاضے بھی ہیں، کہ]: خدا کی معرفت میں کم سے کم یہ تو ضرور ہوگا کہ اُس کو غنی اور بے پرواہ اور اپنے آپ کو اُس کا محتاج سمجھے(۱)؛ مگر یہ بات ہوگی [کہ خود کو خدا کا محتاج سمجھے گا] تو بالضرور اُس کی اطاعت اور فرماں برداری ایک طبعی بات اور مقتضائے دلی ہوگا۔''(۲) (جاری)

---

(۱) انسان کیوں کر محتاج ہے اور کس کا محتاج ہے، پھر اِس محتاجگی کا اِقتضا کیا ہے، اِن سب امور کی تفصیل، کتاب ''حجۃ الاسلام'' کے آئندہ اوراق میں اور ''تقریر دل پذیر'' کی ابتدا میں بیان کی گئی ہے۔ (۲) ''حجۃ الاسلام'' (ص ۶۱، ۶۲)۔ اسی لیے حضرتؒ نے تصفیۃ العقائد میں یہ بات فرمائی ہے کہ ''وہ (اسلامی) احکام جو حسن لذاتہ یا قبح لذاتہ ہیں، اُن کی خوبی اور برائی طبعی ہے۔'' (ص ۲۸، نیز ملاحظہ ہو: مصنف کی کتاب ''تقریر دل پذیر'' ص ۱۵۰ و مابعد) اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ''شریعت مقدسہ کے حدود و اصول اس قدر پاکیزہ ہیں کہ اگر وحی کے ذریعہ سے بھی اطلاع نہ کی جاتی تو فطرت سلیمہ بھی اس کی مقتضی ہوتی مگر چونکہ طبائع سلیمہ بہت کم ہیں اس لیے وحی کی حاجت ہوئی۔'' (ملفوظات حکیم الامت، الافاضات الیومیہ: ج ۱/ص ۳۱۱)

احوال و کوائف

خبر نامہ

ادارہ کے اہم سالانہ پروگرام کا انعقاد عنقریب

جلسہ انعامیہ، تکمیل بخاری شریف ودرس مسلسلات ادارہ کے یہ تین اہم پروگرام ہیں، جن کا انعقاد عموماً تعلیمی سال کی تکمیل کے موقع پر سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے اوران پروگراموں کے لئے ادارہ قبل از وقت غیر معمولی اہتمام کرتا ہے تاکہ متمنئ شرکت اپنی ترجیحات میں ان پروگراموں کو شامل رکھیں اور علماء کے ارشادات ومواعظ سے مستفید ہوں، بنا بریں سال رواں جلسہ انعامیہ کے لئے ۱۸؍جنوری ۲۰۲۴ء مطابق ۶؍رجب المرجب ۱۴۴۵ھ بروز جمعرات اور ختم بخاری شریف و درس مسلسلات کے لئے یکم فروری ۲۰۲۴ء مطابق ۲۰؍رجب المرجب ۱۴۴۵ھ بروز جمعرات کی تاریخ متعین کی گئی ہے۔

امتحان سالانہ کا اعلان

امتحان سالانہ جو دراصل طلبہ کی سالانہ محنتوں کی جانچ پرکھ کا ذریعہ اوران کی محنتوں کا گویا نتیجہ ہوتا ہے، اسباق کی غیر معمولی اہتمام والتزام کے ساتھ ادارہ طلبہ کو بارہا یہ ہداہات بھی جاری کرتا ہے کہ طلبہ اپنی تمام تر توجہات کا مرکز حصول علم کو ہی بنائیں اور اسباق کی پابندی کے ساتھ تکرار ومطالعہ میں مشغول ہوکر امتحان کے تیاریوں میں مصروف رہیں، یقیناً اس موقع پر طلبہ اپنی محنتوں اور صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔سال رواں امتحان سالانہ کے انعقاد کیلئے مؤرخہ ۱۲؍تا ۲۹؍فروری ۲۰۲۴ء مطابق یکم؍تا ۱۸؍شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ کی تاریخ متعین کی گئی ہے، امتحانات کی تکمیل کے ساتھ ہی سالانہ تعطیل کا آغاز ہوجائے گا۔

مہمان خانہ کی تعمیر آخری مرحلے میں

ان دنوں ادارہ میں مہمان خانہ کی تعمیری سرگرمیاں اپنے آخری مرحلے میں ہیں۔عمارت کی تعمیری تکمیل ہوچکی ہے، ناگزیر تزئینی امور بھی انجام دیئے جاچکے ہیں، برقی آلات کی تنصیب اور رنگ وروغن کا عمل اپنے آخری مرحلے میں ہے۔امید ہے کہ اس عمارت کے دیگر تزئینی مراحل جلد مکمل کرلئے جائیں گے۔

دارالعلوم وقف دیوبند کا تعاون کیسے کریں؟

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتوی قدس سرہ نے ادارہ کی ترقی کے لیے جو اصول وضع کئے ہیں ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ دارالعلوم کو توکل علی اللہ اور عوامی چندے سے چلایا جائے اور اس کے لیے خاص طور پر غریب طبقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس لیے جو اہل خیر حضرات دارالعلوم وقف دیوبند کو اپنے عطیات، زکوٰۃ اور صدقات کی رقوم ارسال کرنا چاہتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ:

اپنے حلقوں میں پہنچے ہوئے سفراء کرام (جن کے پاس دارالعلوم وقف دیوبند کا شناختی کارڈ ہو) کو رقومات دے کر رسید حاصل کرلیں۔ منی آرڈر، ڈرافٹ یا چیک کے ذریعہ اپنی رقومات براہ راست ارسال کرسکتے ہیں۔ وصولیابی کے بعد رسید ارسال کردی جائے گی۔ اگر براہ راست بینک اکاونٹ میں رقم جمع کرتے ہیں تو بذریعہ ای میل مطلع کردیں تاکہ اس کی تصدیق کرکے رسید ارسال کردی جائے۔

نوٹ: دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان 80-G کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔

تمام اکاؤنٹس کی تفصیلات

دارالعلوم وقف دیوبند کے کرنٹ اکاؤنٹس یونین بینک آف انڈیا، کارپوریشن بینک اور ایچ، ڈی، ایف، سی بینک میں ہیں، جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

UNION BANK OF INDIA		
(1) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	372901010014039
BANK	:	UNION BANK OF INDIA (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	UBININ BBMRT
IFSC CODE	:	537292
AXIS BANK		
(2) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	915010029212886
BANK	:	AXIS BANK (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	AXISINBB
IFSC CODE	:	UTIB0002426
HDFC BANK		
(3) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	50200002786907
BANK	:	HDFC BANK (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	HDFC INBB
IFSC CODE	:	HDFC0001974

رابطہ کے لیے

Maulana Mohammad Sufyan Qasmi
Mohtamim Darul Uloom Waqf Deoband
Near Eidgah, Darul Uloom Waqf Road
Distt. Saharanpur U.P. INDIA Pin-247554
Ph: +91 8439512767
+91 8439412767
Email: rector@dud.edu.in
Website:www.dud.edu.in

RNI UPURD/2010/32139
Postal Regd. No. RNP/SHN/005/2023-25

RNI UPURD/2010/32139
Published, Printed and Edited by Mohammad Sufyan Qasmi
on behalf of Darul Uloom Waqf Deoband
Near Eidgah, Moh. Khanqah, P/o Deoband, Distt. Saharanpur (U.P.) &
Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers,
Moh. Barziyaul Haq, Deoband (U.P.)

Vol: 15
Issue: 08
Rajab 1445
Jan-Feb 2023

دارالعلوم وقف دیوبند

تصاویر کے آئینے میں

دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان ۸۰ جی کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ
आयकर अधिनियम की धारा 80 जी के आधीन कर मुक्त प्रमाण पत्र
न. सी. न. (238)/कर मुक्ति/ आ. आ. मु. नगर/आ. आधि (तफ)/2009–10/9603
Exempted u/s 80G
No (238)/TAX EXEMPT/CIT MZN/I.T.O. (TEC) 2009-10/9603